صفحات ۸۰۔۔۔ قیمت تحریر نہیں، پتے۔ (۱) سنٹرل جمعیۃ تبلیغ الاسلام ۹۸/۷۴ ناظر باغ کانپور، (۲) فریدی بلڈنگ، سنبھلی گیٹ، مراد آباد،

یہ سکھوں کے مشہور مذہبی رہنما گورونانک جی کے حالات و تعلیمات کا مختصر خاکہ ہے، پہلے ان کی تعلیم و تربیت سیر و سیاحت اور ان پر مسلمان صوفیوں کے اثرات وغیرہ کا ذکر ہے۔ اور آخر میں ان کی ہدایات و تعلیمات نام (حقوق اللہ) دان (حقوق العباد) اشنان (جان و تن کے حقوق) اور دوسرے خیالات کی تشریح و وضاحت کی گئی ہے۔ مصنف نے دکھایا ہے کہ گورجی ہندوستان کے تمام فرقوں میں اتحاد و یکجہتی پیدا کرنا چاہتے تھے۔ اور ان کی تعلیمات اسلامی رنگ میں رنگی ہوئی تھیں۔ اور گورو گرنتھ صاحب کے شلوکوں (شعروں) میں توحید و رسالت اور آخرت پر ایمان لانے کی تلقین کی گئی ہے۔ اس کتاب میں گوروجی مہاراج کی اصل تعلیمات پیش کر کے ان کے پیرؤوں اور سکھ حضرات کو ان پر غور و فکر کرنے کی دعوت دی گئی ہے۔

شعاعوں کی صلیب مرتبہ جناب کرامت علی کرامت صاحب تقطیع خورد کاغذ کتابت و طباعت عمدہ صفحات ۸۴ مجلد قیمت ۸/ پتہ شاخسار پبلیشر بخشی بازار، کٹک ۱

جناب کرامت علی کرامت کا وطن اڑیسہ ہے وہ وہاں کے ایک کالج میں ریاضی کے استاد ہیں لیکن اسکے باوجود انکو اردو شعر و ادب کا اچھا ذوق ہے، اڑیسہ سے شائع ہونے والا دوماہی شاخسار ان ہی کی ادارت میں چھپتا ہے، اسمیں اور دوسرے ادبی رسائل میں انکا کلام اور ادبی و تنقیدی مضامین چھپتے رہتے ہیں "شعاعوں کی صلیب" انکا پہلا مجموعہ کلام اور نظموں و غزلوں پر مشتمل ہے، کرامت صاحب کا کلام غور و تامل کا نتیجہ اور سطحیت و رکاکت سے خالی ہے امید ہے کہ جدید شاعری کے ذوق والوں میں یہ مجموعہ کلام مقبول ہوگا، شروع میں انھوں نے اپنے حالات اور شاعری کے متعلق معلومات بھی تحریر کیے ہیں۔

"ض"

جلد ۱۳ ماہ ربیع الثانی ۱۳۹۴ھ مطابق ماہ مئی ۱۹۷۴ء نمبر ۵

مضامین

مقالات

شذرات

ہندوستان و پاکستان کے درمیان تجارت کی بندش سے یون ہی دارالمصنفین کئی سال سے سخت مالی مشکلات میں مبتلا تھا، اب سامان طباعت خصوصاً کاغذ کے قحط اور ہوش ربا گرانی نے مشکلات میں اور بھی اضافہ کر دیا ہے، اور معارف پریس کو قائم رکھنے کی کوئی شکل نظر نہیں آ رہی ہے، اگر بند کر دیا جائے تو پریس کا پورا عملہ بیکار ہو جائے گا، اور دارالمصنفین کا ایک اہم شعبہ جس سے بڑی سہولت حاصل تھی ختم ہو جائے گا، اور اگر قائم رکھا جاتا ہے تو مفت تنخواہوں کا بار اٹھانا پڑے گا، اس وقت متعدد اہم اور چالو کتابیں ختم ہو گئی ہیں کئی نئی کتابیں تیار ہیں، مگر ان کے چھاپنے کا سامان نہیں، اولاً کاغذ بڑی مشکل سے ملتا ہے، اور اگر مل بھی جاتا ہے تو اتنا گراں کہ خریدنے کی ہمت نہیں پڑتی، دارالمصنفین کی کتابوں کے خریداروں کا حلقہ یوں بھی محدود تھا، ملک کے اقتصادی حالات نے اور بھی محدود کر دیا ہے، اب اگر سامان طباعت کی گرانی کے تناسب سے ان کی قیمتوں میں اضافہ کیا جاتا ہے تو ان کے خریدار اور بھی کم ہو جائیں گے، فی الحال ان مشکلات کے حل کی کوئی صورت سمجھ میں نہیں آ رہی ہے، لعل اللّٰہ یحدث بعد ذالک امرا

آزادی سے پہلے یہ خیال عام تھا کہ ہندوستان کی ساری مصیبت انگریزوں کی لائی ہوئی ہے، ان کے جاتے ہی ہندوستان جنت نشان بن جائے گا، یہاں شہد اور دودھ کی گنگا جمنا بہیگی، ہر شخص آسودہ حال ہوگا، لیکن آزادی کے بعد اس خواب کی تعبیر الٹی نکلی اور ملک اتنے گوناگوں مصائب میں گھر گیا ہے، کہ لوگ بے اختیار انگریزی عہد کی آسائشوں کو یاد کرنے لگے ہیں، یہ صحیح ہے کہ آزادی کے بعد ہندوستان نے تعمیری اور صنعتی حیثیت سے

بڑی ترقی کی ہے، بڑے بڑے منصوبے چل رہے ہیں، عظیم الشان کارخانے قائم ہو گئے ہیں، جہاں سوئی نہیں بنتی تھی وہاں ٹینک اور ہوائی جہاز بننے لگے ہیں بہت سے جھونپڑیوں کے رہنے والے بڑی بڑی کوٹھیوں میں رہنے لگے ہیں، پیدل چلنے والے ہوائی جہاز پر اڑے پھرتے ہیں، مگر اسی کے ساتھ یہ بھی واقعہ ہے کہ ان ترقیوں کے باوجود زندگی کا امن و سکون ختم ہو گیا ہے، ملک میں بدامنی عام ہے، ضروریات زندگی کی ہوش ربا گرانی نے ایک بڑے طبقہ کی زندگی وبال کر دی ہے، کوئی شخص بھی جائز آمدنی سے ضروریات زندگی پوری نہیں کر سکتا، صرف رشوت خوروں اور چور بازاری کرنے والوں کا معیار زندگی اونچا ہوا ہے، جو لوگ اس سے محروم ہیں، ان کے لئے زندگی بسر کرنا مشکل ہو رہا ہے، ایسی ترقی کس کام کی کہ ملک کے ایک طبقہ کا گھر دولت سے بھر جائے اور ایک طبقہ کو پیٹ بھر کھانا اور ستر پوشی کے لیے کپڑا بھی میسر نہ ہو، اخلاقی معیار اتنا گر گیا ہے کہ کسی کو بھی ملک کے مفاد کی فکر نہیں، ہر شخص دولت سمیٹنے کی دھن میں مبتلا ہے، اسی لئے اگر حکومت حالات کی اصلاح بھی کرنا چاہتی ہے تو کامیاب نہیں ہو پاتی، اور عوام کی اس بے اطمینانی سے حکومت کے مخالفین فائدہ اٹھاتے ہیں، ایک عام آدمی کو سوشلزم کا فلسفہ سمجھانے سے تسکین نہیں ہوتی، وہ تو اسکے نتائج دیکھنا چاہتا ہے، اسکی نگاہ میں ترقی کا معیار بڑے بڑے کارخانے نہیں بلکہ ضروریات زندگی کا حصول ہے، اگر ستائیس سال کی طویل مدت میں سوشلزم کے کچھ بھی نتائج نکلتے تو حسن ظن سے کام لیا جا سکتا تھا، لیکن جسقدر سوشلزم کا شور بڑھتا جاتا ہے، اسی قدر ضروریات زندگی گران اور عنقا ہوتی جاتی ہیں ہر چیز کی قیمت آسمان تک پہنچ گئی ہے، اسی قسم کے حالات انقلاب کو دعوت دیتے ہیں جس کے آثار شروع ہو گئے ہیں، انکو سختی یا طفل تسلی سے نہیں دبایا جا سکتا، اسکا علاج صرف یہ ہے کہ عوام کو مطمئن کیا جائے،

اس سلسلہ میں ایک تقریب سے سوشلزم کے برادر اکبر کمیونزم کی یاد آ گئی، ابھی حال میں روسی سفارت خانے سے عربی میں ایک بڑی دیدہ زیب کتاب "المسلمون فی الاتحاد السوفیتی" ہمارے پاس آئی ہے جس میں تصویروں کی زبان سے سوویت یونین کی مسلمان ریاستوں کی مذہبی آزادی اور مادی ترقی دکھائی گئی ہے

اور اس سے متعلق مضامین اور مختلف اسلامی ملکوں کے ان سربرآوردہ مسلمانوں کے بیانات بھی نقل کئے گئے ہیں، جنھوں نے انکا مشاہدہ کیا ہے، تصویروں میں مساجد، نماز، مدارس اور دوسرے اسلامی آثار اور صنعتی ترقی کی تصویریں ہیں، مگر اب اس قسم کے تماشے اتنے ہوتے رہتے ہیں کہ انکا کوئی اثر باقی نہیں رہ گیا ہے، یہ کوئی نہیں کہتا کہ روس میں مذہبی شعائر ادا کرنے کی اجازت نہیں ہے، گو ایک زمانہ میں یہ بھی جرم تھا مگر اب پالیسی بدل گئی ہے، مسلمان اپنے مذہبی شعائر ادا کر سکتے ہیں، بعض مسجدوں میں جمعہ اور عیدین کی نمازیں بھی ہوتی ہیں جن میں کچھ پرانی نسل کے بوڑھے اور روس میں مقیم اسلامی ملکوں کے مسلمان شریک ہوتے ہیں، بہت سے اسلامی آثار بھی محفوظ ہیں، اور مسلمان ریاستوں نے مادی حیثیت سے ترقی بھی کی ہے، بلکہ اس سال روس میں امام بخاری کی یادگاری جشن بھی منایا جا رہا ہے، لیکن ان میں سے ایک چیز بھی مذہبی آزادی کا ثبوت نہیں ہے، دیکھنا یہ ہے کہ سوویٹ یونین سے پہلے یہاں کے مسلمانوں کی مذہبی حالت کیا تھی اور اب کیا ہے، اگر چند مسجدیں آباد ہیں تو ہزاروں ویران ہیں، اگرچند جدید علوم کی یونیورسٹیاں قائم ہو گئی ہیں، تو سیکڑوں دینی مدارس ختم کر دئے گئے ہیں۔

اصل یہ ہے کہ اس زمانہ میں کسی قوم و ملت کے مذہب اور کلچر کو زور و قوت سے مٹانا آسان نہیں ہے، اس لیے اب جبر کی پالیسی بدل گئی ہے اور تعلیم و تربیت اور الحاد و بے دینی کی ترویج و اشاعت کا ایسا نظام قائم کیا گیا ہے کہ نئی نسل مذہب پر قائم ہی نہیں رہ سکتی اور کمیونزم کے رنگ میں رنگ جاتی ہے، جو ملک بھی کسی قوم و ملت کے کلچر کو بدلنا چاہتے ہیں وہ اسی قسم کے ہتھکنڈے استعمال کرتے ہیں، چنانچہ روس کے مسلمانوں کی نئی نسل مذہب سے بالکل بیگانہ ہے، ممکن ہے کچھ مستثنیٰ مثالیں بھی نکل آئیں، درحقیقت کمیونزم کی بنیاد ہی الحاد و دہریت پر قائم ہے، اور اس پر آج بھی مذہبی اثرات کو مٹانے کے لیے، روس کے ممتاز کمیونسٹوں کے بیانات شاہد ہیں، اگر کسی قوم و ملت کے مذہب اور کلچر کو مٹا کر اس کو مادی ترقی کے بام عروج پر بھی پہنچا دیا جائے تو یہ ترقی نہیں، بلکہ نسل کشی ہوئی، صحیح ترقی اور آزادی کا تصور یہ ہے کہ ہر ملت اور ہر فرقہ کو اس کی مذہبی و تہذیبی خصوصیات کے ساتھ ترقی کا موقع دیا جائے۔

مقالات

سفرحج کی مختصر روداد

از شاہ معین الدین احمد ندوی

(۲)

حج کے انتظامات اور اس کی آسانیاں

جو لوگ حج کے سفر میں تن آسانی اور راحت ڈھونڈتے ہیں یا جو ترقی یافتہ ملکوں کے انتظامات سے حج کے انتظامات کا موازنہ کرتے ہیں انکی نظر اس کی خامیوں اور حج کی مشقتوں پر پڑتی ہے، وہ یہ نہیں دیکھتے کہ سعودی حکومت سے پہلے حج میں کتنی مشکلات تھیں اور اب کتنی آسانیاں پیدا ہو گئی ہیں اور جو خامیاں باقی ہیں وہ بھی حکومت کی توجہ سے رفتہ رفتہ دور ہوتی جاتی ہیں،

جو لوگ حج کو عبادت سمجھتے ہیں ان کو راحت ہی راحت معلوم ہوتی ہے، تکلیفوں اور مشکلات کی طرف ان کی نظر ہی نہیں جاتی، حج ایک عاشقانہ عبادت ہے، اس کے سارے مناسک عاشقانہ ہیں جن میں تکلیف اور مشقت اٹھانا ضروری ہے ؎

ستم نہ ہو تو محبت میں کچھ مزا ہی نہیں

اس کے بغیر اس کی تکمیل نہیں ہوتی

نازپروردہ تنعم نبرد راہ بدوست　　عاشقی شیوۂ رندان بلاکش باشد

اس پہلو سے قطع نظر خالص مادی حیثیت سے پہلے کے مقابلہ میں اب اتنی سہولتیں اور آسانیاں پیدا ہو گئی ہیں کہ حج حج نہیں رہ گیا ہے بلکہ تفریحی سفر بن گیا ہے،

پہلے سرزمین حجاز پر قدم رکھتے ہی ہر قدم پر مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا تھا، جدہ میں جدید طرز کی کوئی بندرگاہ نہ تھی، جہاز ساحل سے کئی میل دور سمندر ہی میں کھڑے ہوتے تھے، اور مسافر اور اُن کا سامان کشتیوں کے ذریعہ آتا تھا جس سے ان کو بڑی زحمت اٹھانا پڑتی تھی، کبھی کبھی سامان کشتیوں پر اتارنے میں سمندر میں گر پڑتا تھا، اب جدید طرز کی بڑی وسیع بندرگاہ بن گئی ہے جس میں بیک وقت کئی بڑے بڑے جہاز ٹھہر سکتے ہیں، اور حجاج براہ راست بندرگاہ پر اترتے ہیں، پہلے جدہ میں حکومت کی طرف سے حاجیوں کے قیام کا کوئی انتظام نہ تھا، معلم جہاں چاہتے تھے ٹھہراتے تھے، جس سے حاجیوں کو بڑی زحمت ہوتی تھی، اب حکومت نے مدینۃ الحجاج کے نام سے کئی منزل کی ایک وسیع عمارت بنوا دی ہے جس میں کئی ہزار حاجی بیک وقت ٹھہر سکتے ہیں، اس میں قیام کی ہر طرح کی سہولتیں ہیں، پہلے سڑکیں، بسیں اور کاریں نہ تھیں، اونٹوں سے سفر کرنا پڑتا تھا، جدہ سے مکہ معظمہ کل چالیس پینتالیس میل ہے، یہ مسافت اونٹوں کے ذریعہ کم سے کم دو دن میں طے ہوتی تھی، اور مکہ سے مدینہ کے سفر میں دس بارہ دن لگتے تھے، اب پورے حجاز میں اعلیٰ درجہ کی ڈامر کی سڑکیں بن گئی ہیں، صبا رفتار موٹریں ہیں جن کے ذریعہ دنوں اور ہفتوں کی مسافت چند گھنٹوں میں طے ہو جاتی ہے،

پہلے بدوؤں سے حاجیوں کی جان و مال محفوظ نہ تھا، قافلوں کی حفاظت کا بڑا انتظام کرنا پڑتا تھا، اس کے باوجود کبھی کبھی قافلے لٹ جاتے تھے، اور ان کی جانیں ضائع ہو جاتی تھیں، اب اس قدر امن و امان ہے کہ کوئی شخص کسی کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھ سکتا، اگر کسی کا سامان گم ہو جائے تو کوئی شخص اس کو نہیں اٹھا سکتا، پولیس خود سرکاری مال خانے میں لیجا کر جمع

کرتی ہے، اور وہ تلاش کے بعد مالک کو ملجاتا ہے،

پانی اس قدر کمیاب تھا کہ سونے کے بھاؤ بکتا تھا، منیٰ اور عرفات میں لوگ ایک ایک گلاس پانی کے لیے ترستے تھے، اب ہر جگہ نل لگے ہیں جتنا چاہے پانی صرف کیجئے، منیٰ، عرفات اور مزدلفہ تک میں پانی کی افراط ہے، آئس کریم اور ٹھنڈے مشروبات کی بکثرت دوکانیں ہیں، برف کے ڈھیر لگے رہتے ہیں خوب سیر ہو کر پیجئے،

پہلے منیٰ عرفات اور مزدلفہ کے راستے اس قدر تنگ تھے کہ راستہ چلنا دشوار ہوتا تھا، اب ان تمام مقامات میں کئی کئی کشادہ ڈامر کی سڑکیں بن گئی ہیں، پیدل چلنے والوں کے لئے علیحدہ سڑک ہے جس سے آمد و رفت میں بڑی سہولت پیدا ہو گئی ہے، لیکن پندرہ سولہ لاکھ انسانوں کے ہجوم کے نقل و حرکت میں کچھ نہ کچھ دشواری تو ضرور رہ گئی یہ بھی واضح ہو کہ ہجوم کسی ایک جگہ نہیں رہتا بلکہ چار پانچ دن تک محدود وقت میں کئی مقامات پر منتقل ہوتا رہتا ہے اتنے بڑے مجمع کو چند گھنٹوں میں ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچانا بہت دشوار ہے، یہ حکومت کا حسن انتظام ہے کہ یہ کام آسانی سے انجام پا جاتا ہے، اس کے لیے حکومت بڑے وسیع انتظامات کرتی ہے، خود شاہ فیصل، شاہی خاندان کے ارکان اور حکومت کے وزراء و عمال منیٰ اور عرفات میں موجود رہتے ہیں جس سے پورا انتظامی عملہ مستعد اور چوکنا رہتا ہے،

اس سال ٹرافک کو کنٹرول کرنے کے لئے سات ہزار پولیس کے سپاہی مقرر تھے حجاج کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنے کے لئے دو لاکھ بسیں اور کاریں تھیں، ہر پچاس ساٹھ قدم پر پولیس کے سپاہی متعین تھے، اور خاص بات یہ تھی کہ وہ حجاج پر کسی قسم کی سختی نہیں کرتے تھے، بلکہ بڑی نرمی اور سہولت کے ساتھ مجمع اور سواریوں کو کنٹرول کرتے تھے، اگر ہندوستان کے بڑے میلوں سے ان کا موازنہ کیا جائے تو زمین آسمان کا فرق نظر آتا ہے، اور یہ فضا میں

کئی کئی ہیلی کوپٹر جن کا رابطہ پولیس اسٹیشن سے قائم رہتا تھا مجمع کو دیکھتے رہتے تھے، جہاں کوئی دشواری نظر آتی فوراً پولیس اسٹیشن کو خبر دیتے، ایک ایک دو دو فرلانگ کے فاصلہ پر کرین نصب تھے کہ اگر کوئی بس یا کار خراب ہو جائے اور مجمع کی کثرت کی وجہ سے اسکو نکالا نجا سکے تو کرین کے ذریعہ اسکو اٹھا لیا جائے اور اس کی جگہ دوسری بس یا کار رکھ دیجائے، اتفاقی حوادث کے لیے ہر آدھے گھنٹے کے بعد ایک ایمبولنس کار گذرتی تھی جس میں فرسٹ ایڈ کا پورا سامان رہتا تھا، اس کے ہارن کی خاص قسم کی آواز تھی جس سے پتہ چل جاتا تھا کہ ایمبولنس کار ہے، رات کو اس میں سرخ رنگ کی تیز روشنی ہوتی تھی،

اتنا وسیع طبی انتظام بڑے بڑے ملکون مین بھی مشکل سے ہوگا جتنا حجاج کے لیے ہوتا ہے، مکہ اور مدینہ مین حکومت کے متعدد بڑے اسپتال ہیں، پھر ہر اسلامی ملک اپنا مستقل اسپتال بھیجتا ہے جس میں علاج کا مکمل سامان موجود ہوتا ہے، ہندوستان کا اسپتال بھی ہوتا ہے، اس سال اس میں آٹھ دس ڈاکٹر تھے، اس سے اسلامی ملکون کے اسپتالون کا قیاس کیا جا سکتا ہے، پھر ان کی ڈسپنسریاں حاجیون کے ساتھ منیٰ و عرفات میں منتقل ہوتی رہتی ہیں،

حکومت کی جانب سے حجاج کی راحت رسانی کے لیے بڑے سخت احکام ہیں، یہ اور بات ہے کہ ہر حاجی ان سے فائدہ نہ اٹھا سکے۔

بعض اصلاح طلب امور اس حسن انتظام کے باوجود اب بھی بعض چیزین اصلاح طلب اور حکومت کی توجہ کی محتاج ہیں، ان میں سب بڑا مسئلہ مکہ معظمہ میں مکانوں کا ہے، ضرورت کے لحاظ سے مکان بہت کم ہیں، اس لئے حج کے زمانہ میں انکا کرایہ ناقابل برداشت حد تک بڑھ جاتا ہے، ایک معمولی کمرہ جس میں مشکل سے تین چار آدمیون کے رہنے کی گنجائش ہوتی ہے، ہزار بارہ سو ریال سے کم میں نہیں ملتا، اور مکانوں کی قلت اور کرایہ کی گرانی کی وجہ سے

ایک ہی کمرہ میں سات آٹھ آدمی رہنے پر مجبور ہوتے ہیں، یہ بھی واضح رہے کہ مسلمان حکومتین بھی زرتبادلہ بچانے کے لیے اپنے یہاں کے حاجیوں کو محدود رقم دیتی ہیں جو اس گرانی کے زمانہ میں کھانے پینے وغیرہ کے ضروری مصارف کے لیے بھی مشکل کافی ہوتی ہے، اس میں اتنے گران کرایہ کی گنجائش مطلقاً نہیں ہوتی، جس سے اکثر حجاج کو سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے، اور وہ قرض لینے پر مجبور ہو جاتے ہیں جس کا ملنا مکہ میں آسان نہیں ہے، اس مشکل کو دور کرنے کی شکل یہ ہے کہ حکومت جدہ کے مدینۃ الحجاج کی طرح مکہ معظمہ میں بھی عمارتین بنوا دے اور حاجیوں سے اس کا مناسب کرایہ لے لیا کرے، اس سے کچھ دنوں میں اس کے مصارف بھی وصول ہو جائیں گے اور حاجیوں کو بھی سہولت ہوگی، حکومت کے پاس روپیہ کی کمی نہیں، وہ اس کام کو آسانی سے انجام دے سکتی ہے، جب تک یہ انتظام نہیں ہوتا حکومت کو خود مکانوں کا کرایہ مقرر کرنا چاہیے، مکانات کے مالک تو ان حاجیوں کو لوٹتے ہیں۔

اگرچہ حکومت کی طرف سے حفظان صحت کا انتظام ہے، جراثیم کش دوائیں چھڑکی جاتی ہیں، سڑکیں صاف رہتی ہیں مگر گلیان گندی رہتی ہیں، اس لئے صفائی میں مزید اہتمام کی ضرورت ہے، خصوصاً منیٰ میں جہان حاجیون کو خیموں میں کئی دن ٹھرنا پڑتا ہے، اس کی ذمہ داری حکومت سے زیادہ ان حاجیون پر ہے جو صفائی کا خیال نہیں رکھتے اور خیموں کے سامنے کوڑے کرکٹ اور گندگی کا ڈھیر لگا رہتا ہے۔

منیٰ اور عرفات میں تو وسیع اور کشادہ سڑکوں کی وجہ سے آمد و رفت میں بڑی سہولت ہو گئی ہے لیکن رمی جمار کے میدان اور مذبح میں توسیع کی ضرورت ہے۔ مجھے تو مذبح جانے کا اتفاق نہیں ہوا لیکن سنا ہے کہ وہاں جانا ہر شخص کے بس کی بات نہیں، جانوروں کی لاشوں اور ان کی آلائش کو روندتے ہوئے جانا پڑتا ہے، کوئی شخص اسکی

غلاظت سے بچکر نہیں آسکتا. ذبح کرنے والے اس بے احتیاطی سے چھری چلاتے ہیں کہ اگر آنے جانے والے خود احتیاط نہ کریں تو ان کے ذبح ہو جانے کا اندیشہ رہتا ہے اسلئے مذبح کو وسیع، پختہ اور جانوروں کے ذبح کرنے کا مرتب نظام قائم کرنے کی ضرورت ہے، پولیس کی نگرانی سے بھی کچھ سہولت ہو سکتی ہے، معلوم ہوا ہے کہ مذبح کی ترمیم کیلئے حکومت نے کئی کرور کی رقم منظور کی ہے، خدا کرے جلد یہ منصوبہ پورا ہو جائے،

اس سے بھی بڑا مسئلہ رمی جمار کا ہے، اگرچہ پہلے کے مقابلہ میں اس کا میدان وسیع ہو گیا ہے، لیکن حاجیوں کی کثرت کے مقابلہ میں اب بھی تنگ ہے، اس سلسلہ میں ایک فقہی مسئلہ پر بھی غور کرنے کی ضرورت ہے، پہلے دن کی رمی جس کا وقت صبح سے دوپہر تک نسبتہً آسان ہے، لیکن ۱۱-۱۲ کی تینوں جمروں کی رمی جس کا وقت زوال کے بعد سے غروب آفتاب تک ہے بہت دشوار ہے، اتنے وقت میں ۱۵، ۱۶ لاکھ آدمی رمی نہیں کر سکتے خصوصاً مسنون آداب کے ساتھ تو ناممکن ہے، ۱۱ اور ۱۲ کی رمی میں آدمیوں کا اتنا ہجوم ہوتا ہے کہ جمرہ تک کمزور آدمیوں کا پہنچنا بہت دشوار ہوتا ہے، اگر اس ہجوم میں کوئی شخص گر پڑے تو پھر اٹھنا بہت دشوار ہے ایسی حالت میں مسنون طریقہ سے رمی کا کیا امکان ہے، اس کی پابندی میں اس مرتبہ مولانا ابوالحسن علی کی جان جاتے جاتے بچی اس لیے، اس مشکل کا حل نکالنے کی ضرورت ہے۔

کبھی کبھی اس قسم کی دشواری طواف میں بھی مقام ابراہیم کی سمت پیش آتی ہے اس میں حاجیوں کی ناواقفیت اور ان کی بدنظمی کو زیادہ دخل ہے، یہ دشواری طواف کے بعد کی نفلین مقام ابراہیم کے پاس مطاف کے اندر پڑھنے سے پیش آتی ہے، اگر مطاف کے باہر نفلین پڑھی جائیں تو جگہ کی اتنی تنگی نہ ہو مقام ابراہیم کے پاس

نفلین پڑھنا مسنون ہے لیکن مطاف کے اندر ضروری نہیں ہے، اگر جگہ تنگ ہو تو پورے حرم میں کسی جگہ بھی پڑھی جا سکتی ہیں، مطاف کے اندر پڑھنے سے صرف طواف کرنے والوں کو دشواری نہیں ہوتی، بلکہ پڑھنے والوں کی کثرت کی وجہ سے نماز کے ارکان بھی صحیح طریقہ سے ادا نہیں کیے جا سکتے،

اس سلسلہ میں دوسرا مسئلہ عورتوں کے طواف کا ہے، عورت اور مرد ساتھ ساتھ طواف کرتے ہیں، اس لئے اس ہجوم میں عورتوں اور مردوں کے اختلاط سے احتیاط نہیں ہو سکتی، خود عورتیں پلی پڑتی ہیں خصوصاً مصر و افریقہ کی عورتیں تو اتنی مردانہ ہیں کہ مردوں کو دھکے دیکر ہٹا دیتی ہیں، اسی قسم کا ہجوم مسجد نبوی خصوصاً مواجہہ شریف میں بھی ہوتا ہے مسجد نبوی میں اگرچہ عورتوں کے لئے ایک جگہ مخصوص ہے، اسکے باوجود بعض عورتیں مردوں کی صف میں گھس آتی ہیں، ایک دن ایک عورت کو جو مردوں کی صف میں گھسنا چاہتی تھی، مسجد نبوی کے ایک خادم (اغوات) نے ہٹانا چاہا تو اس نے اس زور سے خادم کو دھکا دیا کہ اس کا عمامہ گر گیا، اور بڑی مشکل سے اس عورت کو ہٹایا جا سکا، اگرچہ ان چیزوں کی اصلاح مشکل ہے لیکن کسی نہ کسی حد تک تو ہو سکتی ہے۔

ملک فیصل بڑے مدبر، سنجیدہ مغز اور زمانہ کے حالات سے باخبر حکمران ہیں، بین الاقوامی سیاست پر بھی ان کی پوری نظر ہے، انھوں نے یورپ اور امریکہ کا سفر کر کے ان کی ترقیوں کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا ہے، اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اس کے بغیر آج کی دنیا میں کوئی ملک زندہ نہیں رہ سکتا، وہ اگرچہ بادشاہ ہیں، لیکن ان کا مزاج جمہوری ہے، اور وہ ملک کی دولت اس کی فلاح اور تعمیر و ترقی پر صرف کرتے ہیں، چنانچہ

اس وقت سعودی عرب میں بہت سے ایسے منصوبے چل رہے ہیں جو ملک کی تعمیر و ترقی کے لئے ضروری ہیں اور آیندہ اس کا نہایت وسیع پروگرام ہے، راقم کو ان کے دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا، لیکن سعودی حکومت نے اس پر جو کتابیں شائع کی ہیں، ان کے مطالعہ اور ان کی تصویرین دیکھنے کا موقع ملا، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ سعودی حکومت تعمیر و ترقی کی ہر راہ مین گامزن ہے، اسکا ایک مظہر عمارتیں ہیں جن کو ہر شخص ہر جگہ دیکھ سکتا ہے، مکہ مدینہ، جدہ اور طائف وغیرہ میں معلوم ہوتا ہے کہ نئے نئے ڈیزائن کی عمارتیں سبزہ کی طرح زمین سے اُگ رہی ہیں، جدہ تو یورپ کا ماڈرن شہر معلوم ہوتا ہے، سنا ہے کہ ریاض اس سے کہین آگے ہے۔

یورپ کی صنعتی تہذیب ترقی کا ایسا معیار اور قومون کی موت و حیات کا ایسا مدار بن گئی ہے کہ کوئی قوم بھی اس کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی، اور ہر قوم اپنی بقا کے لیے اس کے اختیار کرنے پر مجبور ہے اور وہ ہوا کی طرح ساری دنیا میں سرایت کر گئی ہے، اس سے انکار نہیں کہ انسانیت کو اس سے بڑے مادی فوائد پہنچے لیکن اسکی سب سے بڑی خرابی جس نے اس کی ساری خوبیوں پر پانی پھیر دیا ہے اسکا مادی تصور حیات اور اس کے نتائج ہیں، اور یہ دونوں ایسے لازم و ملزوم ہیں کہ ایک کو اختیار کرنے کے بعد دوسرے سے بچنا بہت مشکل ہے، یہ تہذیب مادی ترقیون اور انسانی آسائشون کے باوجود اپنے ساتھ ناخدا شناسی اور الحاد و دہریت بھی لاتی ہے۔ جو انسانیت کے لیے پیام ہلاکت ہے، مذہبی نقطۂ نظر سے قطع نظر خالص دنیاوی حیثیت سے بھی اس کے بہت بُرے نتائج نکلتے ہیں، اخلاق و روحانیت کی کوئی قدر و قیمت باقی نہیں رہتی، اخلاقی حدین ٹوٹنے کے بعد پھر انسانی آزادی کی کوئی حد باقی نہیں رہتی اور

وہ ہر پہلو سے حیوانیت بن جاتی ہے، جس پر دنیا خصوصاً یورپ کے حالات شاہد ہیں اسلئے مشرقی قوموں خصوصاً مسلمانوں کے لئے یہ بڑا مسئلہ ہے اگر وہ اس تہذیب کو اختیار نہیں کرتے تو انکا زندہ رہنا مشکل ہے اور اگر اختیار کرتے ہیں تو اس کے برے نتائج سے بچنا دشوار ہے، چنانچہ آج کوئی ملک و قوم بھی اس سے محفوظ نہیں اور

درمیان قعر دریا تختہ بندم کردہ‌ای   باز می گوئی کہ دامن تر مکن ہشیار باش

کا معاملہ ہے اسوقت پوری اسلامی دنیا اس دوراہے پر ہے۔

چنانچہ دونوں قسم کے خیالات ساتھ ساتھ چل رہے ہیں ترقی پسند طبقہ مغربی تہذیب کے طلسم میں گرفتار بلکہ اس سے بھی بڑھ کر کمیونزم کا شکار ہے، لیکن اکثریت علانیہ نہ سہی عقیدۃً اسلام پسند ہے، سعودی عرب کی حالت ان ملکون سے کسی قدر مختلف ہے، سب سے بڑی بات یہ ہے کہ وہ اسلام کا سرچشمہ ہے، اسکے مرکز مکہ و مدینہ دونوں سعودی عرب میں ہیں، جس کے اثرات اب بھی باقی ہیں، حرم، کعبہ اور روضۂ نبویؐ کے سامنے پہنچکر تھوڑی دیر کے لئے بڑے بڑے ترقی پسند ترقی پسندی کو بھول جاتے ہیں، اور ان کی گردنیں بے اختیار ان کے سامنے خم ہو جاتی ہیں، جس کا مشاہدہ ہر شخص کر سکتا ہے، دوسرے سعودی عرب کا علاقہ اب سے چند سال پہلے تک مغربی تہذیب کے دو اہم عناصر یعنی دولت اور جدید تعلیم سے محروم تھا، اس لئے اس کا سایہ سعودی عرب پر بہت کم پڑا مگر اب پٹرول اور صنعتی منصوبوں کی وجہ سے امریکہ اور یورپ سے سعودی حکومت کے روابط پیدا ہو گئے ہیں، ان کی آمد و رفت اور جدید تعلیم کی اشاعت سے مغربی تہذیب کے اثرات پڑنے لگے ہیں، مگر یہ غنیمت ہے کہ ابھی یہ اثرات معاشرت تک محدود ہیں، عقائد و افکار اس سے محفوظ ہیں لیکن یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ چیز کب تک

قائم رہے گی ۔

ان حالات میں جو کچھ امید ہے وہ ملک فیصل کی دین داری سے ہے، روشن خیالی کے باوجود مذہبی حکمران ہیں اور اس زمانہ میں صرف سعودی عرب اور لیبیا ایسے ملک ہیں جہاں اسلامی قوانین نافذ ہیں وہ نہ صرف اپنے ملک کی تعمیر اسلامی بنیادوں پر چاہتے ہیں بلکہ اتحاد اسلامی اور مسلمانوں کی دینی اصلاح کے بہت بڑے داعی بھی ہیں، اس کے لیے انھوں نے اپنے سارے وسائل وقف کر دیے ہیں، مکہ میں الرابطۃ الاسلامیہ کے نام سے ایک ادارہ قائم ہے، ہر سال پابندی کے ساتھ اس کے جلسے ہوتے ہیں جن میں پوری دنیائے اسلام کے علماء مفکرین جمع ہوتے ہیں اور اس کے سارے مصارف سعودی حکومت برداشت کرتی ہے، اسلامی سکریٹریٹ میں اگرچہ سارے اسلامی ملک شریک ہیں لیکن اس کے روح رواں بھی ملک فیصل ہیں اور اس کا مرکز جدہ ہے، انھوں نے ایشیا اور افریقہ کے مختلف اسلامی ملکوں کا دورہ کرکے ان میں اتحاد پیدا کرنے کی کوشش کی، اور یہ ان کا بڑا کارنامہ ہے کہ انھوں نے نہ صرف عرب بلکہ اسلامی ملکوں کو بڑی حد تک اتحاد اسلامی کے رشتہ میں منسلک کر دیا اور ان ملکوں کو بھی جن کو عربوں سے اختلاف بلکہ ایک گونہ مخالفت تھی ہم نوا بنا لیا عجب نہیں کہ اسلامی مفکرین اور مصلحین نے اتحاد اسلامی اور مسلمانوں کی دینی تجدید و اصلاح کا جو خواب دیکھا تھا، وہ ملک فیصل کے ذریعہ پورا ہو،

آخیر میں ایک چیز کی طرف توجہ دلانا ضروری ہے، جو ہر شخص کی نگاہ میں کھٹکتی ہے، سعودی عرب کے تعمیری اور صنعتی منصوبوں کے باوجود ابھی وہ جملہ ضروریات زندگی میں یورپ کا محتاج ہے مکہ مدینہ اور جدہ وغیرہ کے بازار بیرونی ملکوں کے

سامانوں سے پٹے ہوئے ہیں، ان میں ملکی کوئی چیز مشکل ہی سے نظر آتی ہے، دولت کی فراوانی نے اور بھی سونے پر سہاگے کا کام کیا ہے، معیار زندگی اتنا بلند ہوگیا ہے کہ ہندوستان میں اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا، معمولی مزدور کی ماہوار تنخواہ پانچ چھ سو ریال سے کم نہیں، یعنی ہندوستانی سکہ کے حساب سے ہزار بارہ سو ماہوار، معمولی معمولی لوگوں کے پاس اتنی شاندار موٹریں ہیں کہ ہندوستان کے بڑے بڑے لوگوں کو نصیب نہیں، مکانات غیر ملکی سامان آرایش سے آراستہ ہیں، جانماز، رومال اور تسبیح تک جن کو حاجی تبرک لاتے ہیں دوسرے ملکوں سے آتی ہیں، تسبیح بمبئی سے جاتی ہے، خالص عرب کا تحفہ صرف کھجور ہے،

ضرورت اس کی ہے کہ غیر ملکی مال پر پابندی لگائی جائے، اور جہاں تک ہو سکے ضروریات زندگی سعودی عرب یا اسلامی ملکوں سے حاصل کی جائیں، ورنہ امریکہ اور یورپ پٹرول کے معاوضہ میں ایک ہاتھ سے جو کچھ دیتے ہیں وہ دوسرے ہاتھ سے واپس لے لیتے ہیں۔

حدیث کا درایتی معیار

از جناب مولانا محمد تقی صاحب امینی ناظم شعبہ دینیات مسلم یونیورسٹی علیگڑھ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دین و شریعت سے متعلق جو کچھ منسوب ہو اسکو "حدیث" کہتے ہیں، اس نسبت کی صحت کو جانچنے کے لیے اہل علم نے ایک معیار مقرر کیا ہے، جس کا نام "درایتی معیار" ہے۔

درایت کے لغوی معنی لغت میں درایت کے معنی "معرفت" ہیں۔[۱]

حدیث کی صحیح معرفت اُسی صورت میں ممکن ہے جب کہ راوی (حدیث نقل کرنے والا) اور مروی (حدیث) دونوں سے متعلق پوری معلومات ہوں یعنی راوی کے بارے میں معلوم ہو کہ وہ کہاں اور کب پیدا ہوا؟ اس کا حافظہ قوی تھا، یا کمزور، نظر سطحی تھی یا گہری، ثقہ تھا یا غیر ثقہ، جاہل تھا یا عالم، اخلاق و کردار کیسے تھے؟ ذرائع معاش اور مشاغل کیا تھے؟ روایت کرنے میں مقررہ شرطوں کا لحاظ کیا ہے یا نہیں؟ اسی طرح مروی کے بارے میں معلوم ہو کہ اس کے الفاظ و جملوں میں کسی قسم کی خامی و کمزوری یا مقررہ قواعد کی خلاف ورزی تو نہیں پائی جاتی ہے، معانی و مفہوم میں عقل، مشاہدہ، تجربہ، زمانہ کے طبعی تقاضے، کسی مسلمہ اصول اور قرآنی تصریحات کی خلاف ورزی تو نہیں لازم آتی ہے جن سے کسی طرح بھی شان نبوت پر حرف آئے یا فرمودات نبوی میں سطحیت ظاہر ہونے کا اندیشہ ہو۔

درایت کی اصطلاحی تعریف دو طرح منقول ہے۔

[۱] راغب اصفہانی المفردات فی غرائب القرآن محمد بن مکرم انصاری لسان العرب،

(۱) عام اور (۲) خاص "عام" وہ ہے جس کا تعلق راوی اور مروی دونوں کی معرفت سے ہو، اور "خاص" وہ ہے جس کا تعلق صرف "مروی" کی معرفت سے ہو۔

درایت کی عام اصطلاحی تعریف عام کے تحت تین قسم کی تعریفیں آتی ہیں۔ مثلاً

طاہر بن صالح الجزائری الدمشقی کہتے ہیں۔

علم درایۃ الحدیث علم یتعرف منہ انواع الروایۃ واحکامہا وشروط الرواۃ واصناف المرویات واستخراج معانیہا[۲]

درایت حدیث وہ علم ہے جس سے راوی کی شرطیں، روایت کی قسمیں اور اس کے احکام کی معرفت ہوتی ہے نیز مرویات کی قسمیں اور ان کے معانی کے استخراج کا علم ہوتا ہے۔

ابن الاکفانی اور جلال الدین السیوطی نے بھی تقریباً یہی الفاظ میں[۳]

عز الدین بن جماعۃ کہتے ہیں۔

علم الحدیث درایۃ علم بقوانین یعرف بہا احوال السند والمتن۔[۴]

درایتی علم حدیث ان قوانین کے جاننے کو کہتے ہیں جن کے ذریعہ سند اور متن کے احوال کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔

زین الدین بن علی کہتے ہیں۔

[۲] طاہر بن صالح، احمد الجزائری الدمشقی توجیہ النظر الی اصول الاثر الفائدۃ الثالثۃ۔ [۳] ارشاد المقاصد از مقدمہ تحفۃ الاحوذی (عبدالرحمن مبارکپوری) الباب الاول الفصل الاول۔ جلال الدین السیوطی تدریب الراوی فی شرح تقریب النواوی مقدمۃ المؤلف [۴] نور الدین عتر المدخل۔ مقدمہ علوم الحدیث لابن الصلاح

درایۃ الحدیث وهو علم	درایتِ حدیث وہ علم ہے جس میں حدیث
یبحث فیہ عن متن الحدیث	کے متن اور اس کی سند سے بحث ہوتی
وطرقہ من صحیحہا وسقمہا	اور حدیث کی صحت وسقم کا پتہ چلتا ہے،
وعللہا وما یحتاج الیہ[1]	جن چیزوں کی معلومات ضروری ہیں
	ان کے متعلق علم ہوتا ہے۔

درایت کی خاص اصطلاحی تعریف | "خاص" کے تحت یہ تعریفیں ہیں مثلاً طاش کبری زادہ کہتے ہیں۔

هو علم باحث عن المعنی	درایت حدیث وہ علم ہے جس میں
المفهوم من الفاظ الحدیث	الفاظ حدیث سے سمجھے گئے مفہوم
وعن المراد منہا مبنیا علی	و مراد سے بحث ہوتی ہے جب کہ
قواعد العربیۃ وضوابط	وہ عربی قواعد و شرعی ضوابط پر
الشریعۃ ومطابقا لاحوال	مبنی اور رسول اللہ کے احوال کے
النبی صلعم[2]	مطابق ہوں۔

حاجی خلیفہ (صاحب کشف الظنون) اور نواب صدیق حسن خان سے بعینہٖ یہی تعریف منقول ہے۔[3]

اس کی تائید درایت کے "موضوع" سے بھی ہوتی ہے۔

---

[1] زین الدین بن علی بن محمد شرح البدایہ فی علم الدرایہ (مخطوطہ آزاد لائبریری مسلم یونیورسٹی علی گڑھ) [2] طاش کبری زادہ مفتاح السعادہ اور مفتاح السیادہ درایۃ الحدیث۔ [3] حاجی خلیفہ۔ کشف الظنون ج ۱۔ علم الحدیث نواب صدیق حسن خان ابجد العلوم ج ۲ علم الحدیث الشریف۔

وموضوعها احادیث الرسول	رسول اللہ کی حدیثیں مفہوم یا
صلعم من حیث دلالتہا	مراد پر ان کی دلالت کی حیثیت سے
علی المفهوم او المراد[1]	درایت کا موضوع ہیں،

علم درایت کے اصلاً دو جز ہیں، | مذکورہ مختلف تعریفوں سے ظاہر ہے کہ علم درایت کے اصلاً دو جز ہیں۔

(۱) نقد حدیث اور (۲) فہم حدیث

نقد حدیث کے دو پہلو ہیں | پھر نقد حدیث کے دو پہلو ہیں۔ (الف) خارجی نقد اور (ب) داخلی نقد۔

خارجی نقد میں راوی کے احوال کے لحاظ سے حدیث کی تحقیق و درجہ بندی ہوتی ہے۔ اور داخلی نقد میں الفاظ، معانی اور مفہوم کے لحاظ سے حدیث کی تحقیق و محل کی تعیین ہوتی ہے۔

فہم حدیث کے دو پہلو ہیں، | اسی طرح فہم حدیث کے بھی دو پہلو ہیں۔

(الف) خارجی فہم اور (ب) داخلی فہم اور

خارجی فہم میں یہ دیکھا جاتا ہے کہ حدیث کے مفہوم میں وقتی حالات، مقامی اثرات اور زمانی خصوصیات کو کس حد تک دخل ہے؟ داخلی فہم میں دیکھا جاتا ہے کہ حدیث کے مفہوم اور موقع و محل کی تعیین میں کن مقاصد کا لحاظ ضروری اور کس وقت کن کو مقدم یا مؤخر کرنے کی گنجائش ہے؟

وہ پہلو جن پر کام کی شدید ضرورت ہے، | نقد حدیث کے خارجی پہلو (خارجی نقد) پر تو کام ہوتا رہا ہے،

---

[1] کشف الظنون ج ۱۔ علم الحدیث

لیکن اس کے داخلی پہلو اور فہم حدیث کے دونوں پہلوؤں پر کام کا تسلسل نہیں جاری رہ سکا جس کی وجہ سے حدیث کی شناخت اور اس کے محل کی تعیین میں دشواری پیش آتی رہی اور حدیث کی افادیت گویا ایک ساتھ محدود ہوگئی۔ حالانکہ ان پہلوؤں پر کام سے بڑے قیمتی فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ مثلاً

(۱) داخلی نقد" سے حدیث الفاظ و معانی کی مختلف کمزوریوں سے پاک ہو کر اپنی اصل ہئیت و عظمت برقرار رہتی ہے۔ (۲) "خارجی" سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کس حدیث سے روح اور قالب دونوں مقصود ہیں، اور کس کی صرف روح مقصود ہے، اور "قالب" حالات کی تبدیلی کے ساتھ بدلتا رہتا ہے۔

(۳) داخلی فہم سے حکمتوں اور مصلحتوں کی یافت ہوتی ہے۔ جن سے احکام و مسائل کے استخراج و استنباط کی راہیں کھلتی ہیں۔

ظاہر ہے کہ خارجی نقد کی طرح اگر ان "فوائد" کو بھی حاصل کرنے کی کوشش مسلسل جاری رہتی تو نہ حدیث کی افادیت مجروح ہوتی اور نہ اس کو ایک دور کے ساتھ محدود کرنے کی کسی کو جرائت ہوتی۔

نقد حدیث پر مستشرقین کا کام

"نقد حدیث" پر مستشرقین نے بھی کام کیا ہے جن میں گولڈ سیہر (Golt Siher) اور جوزف ساخت (Joseph Shacht) کو نمایاں حیثیت حاصل ہے گولڈ سیہر کو تو مغرب میں "نقد حدیث" کا بانی سمجھا جاتا ہے اور جوزف شاخت اس کا لائق شاگرد ہے جس نے استاد کے کاز کو تقویت پہنچا کر اس کے کام کو آگے بڑھایا ہے۔ ان دونوں نے ذہین اور تعلیم یافتہ طبقہ کو (جس کی بنیاد دین مضبوط نہیں ہے) زیادہ متاثر کیا ہے اس بنا پر جدید دور میں

درایت حدیث کی بحث اس وقت تک نامکمل سمجھی جاتی ہے، جب تک نقد حدیث پر مستشرقین کے کام کا جائزہ نہ لیا جائے۔

پھر درایت کا گہرا تعلق "ماخذ حدیث" سے ہے جس کی معرفت کے بغیر درایت کی ہر بحث نامکمل رہتی ہے۔ ایسی صورت میں پہلے حدیث کے ماخذ کا ذکر ضروری ہے۔

درایتی معیار کے پانچ اہم مباحث

اس طرح "درایتی معیار" پر گفتگو کے لئے پانچ اہم عنوان قرار پاتے ہیں۔

(۱) حدیث کا ماخذ۔ (۲) داخلی نقد حدیث (۳) خارجی فہم حدیث۔ (۴) داخلی فہم حدیث اور (۵) نقد حدیث کا جائزہ

آئندہ سطور میں ہر ایک کی تفصیل درج ذیل ہے۔

حدیث کا ماخذ

حدیث کا ماخذ" SOURCE" (سرچشمہ) شعور نبوت ہے۔ اس سے مراد علم و حکمت کا "نور" اور فہم و ادراک کا وہ "کمال" ہے جو انبیاء علیہم السلام کو اللہ کی جانب سے عطا ہوتا ہے۔ یہ شعور نبوت کے خلقی وجدان کا نتیجہ اور اس کے لیے لازم ہے۔ جن کے بغیر نبوت کے فرائض انجام دینے کی کوئی شکل نہیں ہے۔

شعور نبوت کا ثبوت

قرآن حکیم کی اس آیت سے "شعور نبوت" کا ثبوت ملتا ہے۔

اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ[1]	اے نبیؐ۔ ہم نے آپ کی طرف حق کے ساتھ کتاب اتاری تاکہ آپ لوگوں کے درمیان اس کے مطابق فیصلہ کریں جو اللہ نے آپ کو دکھایا۔

---

[1] النساء، رکوع ۱۵۔

بِمَا أَرَاكَ اللّٰهُ کی تفسیر مفسرین سے یہ منقول ہے۔

بما عرفك واوحى به اليك[1] — اس کے مطابق جس کی اللہ نے آپ کو معرفت دی اور آپ کی طرف وحی بھیجی۔

بما اعلمك الله[2] — اسکے مطابق جیسا اللہ نے آپکو علم دیا۔

امام فخر الدین رازی نے مذکورہ آیت میں "علم" کو "رویۃ" سے تعبیر کرنے کی یہ وجہ بیان کی ہے۔

لان العلم المبرأ عن جهات الريب يكون جاريا مجرى الرواية في القوة والظهور[3] — وہ علم یقینی جو شک کو دور کرنے والا ہے، قوت اور ظہور میں رویت (دیکھنے) کے قائم مقام ہوتا ہے۔

پھر حضرت عمرؓ کا یہ قول نقل کیا ہے۔

لا يقولن احد قضيت بما اراني الله تعالى فان الله تعالى لم يجعل ذالك الا لنبيه واما احدنا فرأيه يكون ظنا لا علما[4] — کوئی شخص یہ نہ کہے کہ میں نے اس کے مطابق فیصلہ کیا جو اللہ نے مجھے دکھایا، کیونکہ یہ مقام صرف نبیؐ کے لیے خاص ہے۔ ہم لوگوں کی رائے ظن کے درجہ میں ہوتی ہے نہ کہ علم کے درجہ میں

ظاہر ہے کہ رویت سے مراد یہاں بصری روایت نہیں ہے بلکہ قلبی روایت ہے[5]

---

[1] قاضی بیضاوی تفسیر بیضاوی [2] سید محمود آلوسی۔ روح المعانی نساء ع ۱۵ [3] فخر الدین رازی تفسیر کبیر جزو ثالث نساء ع ۱۵ [4] ایضاً [5] ایضاً و محمد عبدہ المنار جزو خامس۔

جس کی اللہ کی طرف نسبت ہے اور یہ خصوصیت صرف "شعور نبوت" کو حاصل ہوتی ہے۔

حکمت کا مفہوم

شعور نبوت کو سمجھنے کے لیے حکمت اور اس کے مقام کی نشاندہی ضروری ہے۔

قرآن حکیم کی کئی آیتوں میں "حکمت" کا ذکر ہے لغت میں اس کے یہ معنی ہیں۔

الحكمة اصابة الحق بالعلم والعقل[1] الحكمة عبارة عن معرفة افضل الاشياء بافضل العلوم[2] — علم وعقل کے ذریعہ حق کو پہنچنے کا نام حکمت ہے۔ نفیس اور بہتر چیز کو بہترین علم کے ذریعہ جاننا حکمت ہے۔

مفسرین سے یہ معنی منقول ہے۔

(۱) ہر شے کو اس کے مناسب محل میں رکھنے کی صلاحیت "وضع کل شی موضعه"

(۲) حقائق اشیا کی معرفت "معرفة الاشياء بحقائقها"

(۳) حق و باطل کے درمیان فیصلہ کی قوت "الفصل بين الحق والباطل"

(۴) قول اور عمل میں صحیح رائے تک پہنچنا "الاصابة في القول والعمل"[3]

(۵) وہ معارف و احکام جن سے نفوس انسانی کمال کو پہونچیں "ما يكمل نفوسهم من المعارف والاحكام"

ان کے علاوہ بھی بہت سے معنی مفسرین سے منقول ہیں۔ مثلاً[4]

(۶) انوار قلوب کی معرفت اور اسرار غیوب سے واقفیت۔

(۷) نفس اور شیطان کی دقیقہ رسی سے آگاہی۔

---

[1] راغب اصفہانی۔ مفردات القرآن۔ [2] محمد بن مکرم انصاری لسان العرب [3] علاء الدین علی تفسیر خازن ص ۹۹ [4] قاضی ثناء اللہ تفسیر مظہری ص ۴۷،

(۸) شیطانی اور انسانی تقاضوں میں امتیاز کی قوت۔

(۹) عقل کی رہنمائی اور قلب کی بصیرت۔

(۱۰) برائیوں کی صحیح نشاندہی کے بعد علاج کی صحیح تدبیریں۔

(۱۱) مخلوق کے احوال کا علم

(۱۲) خاص قسم کی فراست (قیافہ شناسی) [۱]

ابن مسکویہ (فلسفی) نے حکمت کے تحت یہ چیزیں بیان کی ہیں۔

"ذکاوت وذہانت، سرعت فہم، قوت فہم، ذہن کی صفائی، عقل کی رسائی اور سہولت تعلّم"

پھر اس کے بعد کہا ہے۔

وبھذہ الاشیاء یکون حسن الاستعداد الحکمۃ [۲]	ان ہی چیزوں کے ذریعہ حکمت کی حسن استعداد پیدا ہوتی ہے

مجاہد تابعی اور امام مالک سے یہ معنی منقول ہیں۔

انھا معرفۃ الحق والعمل بہ و الاصابۃ فی القول والعمل [۳]	حکمت نام ہے حق کی معرفت اس پر عمل اور قول وعمل میں درستی کو پہنچنے کا۔

ابن قیم نے اس "معنی" کو احسن قرار دیا ہے۔

وھٰذا احسن ما قیل فی الحکمۃ [۴]	حکمت کے باب میں جو کچھ کہا گیا ان میں یہ احسن ہے

ان تصریحات سے ثابت ہوتا ہے کہ "حکمت" دراصل اسی "استعداد" کا نام ہے جس کے ذریعہ

---

[۱] عرائس البیان فی حقائق القرآن ص ۲۰ [۲] ابن مسکویہ۔ تہذیب الاخلاق ص ۸ [۳]-[۴] ابن القیم مدارج السالکین وتفسیر قیم وانزل اللہ الخ ص ۲۲۶ (مرتب محمد اویس ندوی)

حق کی معرفت، فیصلہ کی قوت کسی اور شے کو اس کے مناسب محل میں رکھنے کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے۔

حکمت "علم وفہم کا نہایت اونچا درجہ ہے"

قرآن حکیم کی جن آیتوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کام کی تفصیل بیان کی گئی ہے، ان میں حکمت کو علم وفہم کا نہایت اونچا درجہ تسلیم کیا گیا ہے۔ مثلاً

(۱) تلاوت آیات۔ وہ درجہ جو ذکر ونصیحت حاصل کرنے کے لیے کافی ہے۔

(۲) تعلیم کتاب۔ وہ درجہ جس میں موقع ومحل کے لحاظ سے مفہوم متعین کرنے اور اصول وکلیات کو برمحل منطبق کرنے کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے۔

(۳) تعلیم حکمت۔ وہ درجہ جس میں بات کی تہہ تک پہنچنے اور اس کے اسرار ورموز سے واقفیت حاصل کرنے کی "حسن استعداد" پیدا ہوتی ہے۔ "تزکیہ کا تعلق عمل سے ہے" جو ہر درجہ میں یکساں ضروری ہے۔

کمال حکمت ساتھ نورانی شعاع کی آمیزش

غالباً یہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے کہ نبوت درجہ کمال کی حکمت پر فائز ہوتی ہے۔ اسی بنا پر قرآن حکیم میں لفظ "حکمت" کی تفسیر اکثر وبیشتر نبوت وسنت سے کی جاتی ہے۔

ابن قیم کہتے ہیں۔

الحکمۃ فی کتاب اللہ نوعان	اللہ کی کتاب میں حکمت دو طرح مستعمل ہے
مفردۃ ومقترنۃ بالکتاب	(۱) مفرد اور (۲) کتاب کے ساتھ۔
فالمفردۃ فسرت بالنبوۃ و	(۱) مفرد کی تفسیر نبوۃ اور علم قرآن کے
فسرت بعلم القرآن قال	ساتھ کی گئی ہے۔ ابن عباسؓ نے کہا کہ

ابن عباس هي علم القرآن ناسخه ومنسوخه ومحكمه ومتشابهه ومقدمه ومؤخره وحلاله وحرامه وامثاله وقال الضحاك هي القرآن والعلم والفقه وفي رواية اخرى عنه هي الاصابة في القول والفعل وقال النخعي هي معاني الاشياء فهمها وقال الحسن الورع في دين الله كأنه فسرها بثمرتها ومقتضاها واما الحكمة المقرونة بالكتاب فهي السنة كذلك قال الشافعي وغيره من الائمة وقيل هي القضاء بالوحي وتفسيرها بالسنة اعم واشهر۔[1]

وہ علم قرآن ہے یعنی ناسخ و منسوخ، محکم و متشابہ، مقدم و مؤخر اور حلال و حرام وغیرہ ضحاک نے کہا وہ قرآن علم اور فقہ ہے ضحاک کی دوسری روایت میں اس سے مراد قول اور فعل میں درستی کو پہنچنا ہے، نخعی نے کہا کہ چیزوں کے معانی اور ان کا فہم ہے حسن نے کہا کہ اللہ کے دین میں پرہیزگاری مراد ہے گویا یہ تفسیر اس کے ثمرہ اور مقتضاء کے لحاظ سے ہے، (۲) جو حکمت کتاب کے ساتھ ہے اس سے سنت مراد ہے امام شافعی اور دوسرے ائمہ نے یہی کہا ہے، بعضوں نے "وحی" کے مطابق فیصلہ مراد لیا ہے لیکن سنت کے ساتھ اس کی تفسیر زیادہ عام اور مشہور ہے۔

[1] ابن قیم مدارج السالکین و تفسیر قیم و انزل اللہ ص ۲۲۶،

نبوت میں کمال حکمت کے ساتھ نورانی شعاع کی امیزش ہوتی ہے جو مشاہدۂ حق سے باطن پر پڑتی اور اس کو روشنی بخشتی ہے۔

شعور نبوت کے تکوینی اجزاء

اس طرح شعور نبوت کے دو اہم جز ہیں. جن سے اس کی تکوین ہوتی ہے۔

(۱) کمال حکمت اور (۲) نورانی شعاع ۔

چند آیتوں سے بطور اشارۃ النص ثبوت،

ذیل میں چند آیتیں پیش کی جاتی ہیں جن سے بطور اشارۃ النص شعور نبوت کے اجزاء کا ثبوت ملتا ہے۔

الله يصطفي من الملائكة رسلا ومن الناس[1]

اللہ فرشتوں اور انسانوں میں رسول خود منتخب کرتا ہے۔

یعنی یہ انتخاب وہبی خصوصیات کی بنا پر ہوتا ہے۔ نہ کہ کسبی خصوصیات کی بناء پر۔

الله اعلم حيث يجعل رسالته[2]

اللہ خوب جانتا ہے کہ وہ اپنی رسالت کو کس کے سپرد کرے۔

جس کا انتخاب ہوتا ہے۔ اس کے رجحانات و قلبی میلانات کی بھی نگرانی ہوتی ہے

ولولا ان ثبتناك لقد كدت تركن اليهم شيئا قليلا[3]

اگر ہم آپ کو ثابت قدم نہ رکھتے تو کچھ ان کی طرف مائل ہو جاتے۔

اس کا علم خالص اللہ کی طرف سے ہوتا ہے۔

وكذلك اوحينا اليك روحا من امرنا ما كنت

اور اسی طرح ہم نے آپ کی طرف اپنے حکم سے قرآن کی وحی کی ورنہ

[1] الحج رکوع ۱۰ [2] الانعام رکوع ۱۵ [3] بنی اسرائیل رکوع ۸۔

تدری ما الکتب ولا الایمان ولکن جعلنٰہ نورا نہدی بہ من نشاء من عبادنا۔ [1]

نہ آپ جانتے تھے کہ کتاب کیا ہے اور نہ ایمان کی تفصیل سے واقف تھے، لیکن ہم نے اس کو "روشنی" بنایا کہ اس کے ذریعہ ہم جس کو چاہتے ہیں ہدایت دیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ جس قدر چاہتا ہے غیبی امور کا بھی علم ان کو عطا کرتا ہے۔

وما کان اللہ لیطلعکم علی الغیب ولکن اللہ یجتبی من رسلہ من یشاء [2]

اللہ غیب کی اطلاع نہیں دیتا ہے لیکن اپنے رسولوں میں سے جسکو چاہتا ہے۔ اس کے لیے منتخب کرتا ہے۔

شعور نبوت اور عقل مادی میں ٹکراؤ نہیں ہے۔

جس ذات گرامی کو یہ خصوصیات حاصل ہوں گی وہ لازمی طور سے کمال حکمت کے بلند ترین مقام پر فائز ہوگی اور نورانی شعائیں اس کے جلو میں ہوں گی اور اس کے شعور اور عقل مادی میں کوئی ٹکراؤ نہ ہوگا کیونکہ ٹکراؤ کی صورت اس وقت پیدا ہوتی ہے۔ جب داخلی اور خارجی دباؤ (طبعی حجابات اور وضعی حالات) سے حفاظت نہ ہو۔ اور حفاظت صرف ان لوگوں کی ہوتی ہے جن کے قویٰ میں کمال اعتدال پایا جاتا ہے، جو انبیاء علیہم السلام کے لیے خاص ہے اور جس کی بنا پر من جانب اللہ ان کی حفاظت کا انتظام ہوتا ہے۔

علامہ ابن تیمیہؒ کہتے ہیں۔

[1] الشوریٰ رکوع ۵، [2] آل عمران رکوع ۱۱۔

ھم متفقون علی انھم لا یقرون علی خطاء فی الدین اصلا ولا علی فسق ولا کذب ففی الجملۃ کل مایقدح فی نبوتھم و تبلیغھم عن اللہ تعالیٰ فھم متفقون علی تنزیھھم [1]

سب اس بات پر متفق ہیں کہ انبیاء علیہم السلام دین میں کبھی بھی خطا پر برقرار نہیں رہ سکتے اور نہ فسق اور کذب پر، خلاصہ یہ ہے کہ ہر وہ چیز جو نبوت اور تبلیغ میں خرابی پیدا کرنے انبیاء کے اس سے منزہ اور پاک ہونے پر سب کا اتفاق ہے۔

شاہ ولی اللہ صاحب کہتے ہیں۔

واجتھادہ صلی اللہ علیہ وسلم بمنزلۃ الوحی لان اللہ تعالیٰ عصمہ من ان یتقرر رایہ علی الخطاء [2]

رسول اللہ کا اجتہاد بمنزلہ وحی ہے کیونکہ اللہ نے آپ کو غلط رائے پر قائم رہنے سے محفوظ رکھا ہے۔

"عقبات" میں ہے۔

لکن ھذہ الناحیۃ مختصۃ بالنبی المعصوم الذی یعصمہ من المھد الی اللحد [3]

لیکن حفاظت کی یہ قسم انبیاء علیہم السلام کے ساتھ خاص ہے، جن کی عہد سے لیکر لحد تک حفاظت ہوتی ہے۔

[1] ابن تیمیہ منہاج السنۃ ج ۱ فصل الرد علی ما زعمہ ر مقالۃ السنۃ فی عصمۃ الانبیاء، [2] ولی اللہ حجۃ اللہ البالغہ ج ۱ باب بیان اقسام علوم النبیؐ [3] شاہ اسمٰعیل شہید: عبقات عبقہ ۲

شعورِ نبوت دین و شریعت سے متعلق حدیثوں کا سرچشمہ ہے

شعورِ نبوت ان سب حدیثوں کا سرچشمہ ہے جو دین و شریعت سے متعلق رسول اللہ کی طرف منسوب ہیں، امام شافعی نے ان کی تین قسمیں کی ہیں۔

(۱) ما انزل اللہ عز و جل فیہ نص کتاب فسر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مثل نص الکتاب

(۱) قرآن میں جس طرح کوئی حکم صراحۃً نازل کیا گیا رسول اللہ نے اسی طرح اس کی تفسیر فرمائی۔

(۲) ما انزل اللہ فیہ جملۃ کتاب فبین عن اللہ معنیٰ ما اراد۔

(۲) قرآن میں جو بات مجمل ہے رسول اللہ صلعم کی طرف سے اس کی مراد و تفصیل کو بیان کیا،

(۳) ما سن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مما لیس فیہ نص کتاب[1]

(۳) رسول اللہ صلعم نے وہ سنتیں قائم کیں جن کا صراحۃً ذکر قرآن میں نہیں ہے۔

شاطبیؒ کہتے ہیں۔

السنۃ راجعۃ فی معناھا الی الکتاب فھی تفصیل مجملہ وبیان مشکلہ وبسط مختصرہ[2]

"سنت" اپنے معنی و مفہوم کے لحاظ سے قرآن ہی کی طرف رجوع ہونے والی ہے، وہ (سنت) قرآن کے مجمل کی تفسیر، مشکل کا بیان اور مختصر کی[2]

۱؎ امام شافعی کتاب الرسالہ باب ما ابان اللہ ۲؎ شاطبیؒ الموافقات جزء رابع المسألۃ الثالثۃ

ابن قیم کہتے ہیں۔

والسنۃ مع القرآن ثلثۃ اوجہ احدھا ان تکون موافقۃ لہ من کل وجہ فیکون توارد القرآن والسنۃ علی الحکم الواحد من باب توارد الادلۃ وتظافرھا الثانی ان تکون بیانا لما ارید بالقرآن وتفسیرا لہ الثالث ان تکون موجبۃ لحکم سکت عن تحریمہ ولا تخرج عن ھذہ الاقسام فلا تعارض للقرآن بوجہ[1]

قرآن کو ساتھ سنت کا تعلق تین طرح ہو (۱) سنت قرآن کے پوری طرح موافق ہو یعنی جو حکم اس میں ہو وہی اس میں ہو، یہ توارد ادلہ ہی ہو جیسے ایک حکم پر مختلف دلیلوں کا جمع ہو جانا (۲) سنت قرآن کے حکم کی تشریح و توضیح کرتی ہے (۳) سنت کسی واجب یا حرمت کو ثابت کرتی ہو جس سے قرآن نے سکوت اختیار کیا ہو سنت کی کوئی قسم ان تینوں سے خارج نہیں ہو اور ان میں سے کوئی بھی کسی حیثیت سے قرآن کے معارض نہیں ہے۔

دین و شریعت سے متعلق حدیثیں قرآن کی علمی و عملی تشریح ہیں

دین و شریعت سے متعلق حدیثیں دراصل قرآن ہی کی علمی و عملی تشریح ہیں جس کا ثبوت ان آیتوں سے ملتا ہے۔

وانزلنا الیک الذکر لتبین للناس ما نزل الیھم ولعلھم یتفکرون[2]

اور ہم نے آپ پر الذکر (قرآن) نازل کیا تاکہ جو چیز لوگوں کی طرف بھیجی گئی ہے آپ انکے سامنے بیان کر دیں اور تاکہ وہ غور کر[2]

۱؎ ابن قیم اعلام الموقعین ج۲ البحث الزیادۃ علی القرآن نسخ المثال الثامن عشر ۲؎ النحل ع

یاایھا الرسول بلغ ما انزل	اے رسولؐ جو کچھ آپ پر آپکے رب کی طرف سے
الیک من ربک [1]	نازل کیا گیا ہے آپ اسکی تبلیغ کیجئے۔
انک لعلی خلق عظیم [2]	بے شک آپ خلق عظیم پر ہیں۔

پہلی آیت میں رسول اللہ کو مبین (شارح) اور دوسری میں مبلغ بتایا گیا ہے۔ بیان و تبلیغ کی صورت یہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے قول و فعل سے اور کبھی مروجہ طریقوں کو برقرار رکھکر قرآن کے مطالب و مقاصد کی وضاحت فرماتے تھے، تیسری آیت میں آپ کو خلق عظیم پر فائز بتایا گیا ہے جس میں قول و فعل اور اقرار سبھی داخل ہیں، جن کو حدیث کی تعریف شامل ہے۔

لقد من اللہ علی المومنین	بلاشبہ مومنوں پر بڑا احسان ہوا کہ اللہ نے
اذ بعث فیھم رسولا منھم	ایک رسولؐ بھیجا جو ان ہی میں سے ہے
یتلوا علیھم ایتہ ویزکیھم	انہیں تلاوت کرتا ہے برائیوں سے پاک صاف کرتا ہے
ویعلمھم الکتب والحکمۃ [3]	اور کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔

یعنی تلاوت آیات میں قرآن اور تعلیم کتاب و حکمت اور اصلاح سے متعلق جس قدر حدیثیں ہیں، وہ سب رسول اللہؐ کے کام کی تفصیلات اور قرآن کی علمی و عملی تشریحات ہیں

علمی و عملی تشریح کی چند مثالیں ذیل میں چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں، جن سے تشریحات نبویؐ کی نوعیت ظاہر ہوگی۔ اور یہ ثابت ہوگا کہ اس نوعیت کا کام شعور نبوتؐ کے بغیر نہیں انجام پاسکتا۔

(۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سے اصلاحی الفاظ ایمان اسلام، صلوٰۃ،

[1] المائدہ ع ۱۰ [2] القلم رکوع ۱ [3] آل عمران رکوع ۱۷

زکوٰۃ، صوم، حج، قربانی اور جہاد وغیرہ کا مفہوم متعین کیا اور ان کی صحیح عملی کیفیت بیان کی،

(۲) غیر اصطلاحی الفاظ کے معنی بیان کئے مثلاً الذین امنوا ولم یلبسوا ایمانھم بظلم [1] جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے اپنے ایمان میں ظلم کو نہیں ملایا، میں ظلم کے معنی شرک بیان کئے ہیں۔

(۳) جملوں کی تشریح کی جیسے کلوا واشربوا حتی یتبین لکم الخیط الابیض من الخیط الاسود [2] میں خیط ابیض اور خیط اسود سے رات کی تاریکی اور دن کی سفیدی مراد لی پھر بعد میں من الفجر کا نزول ہوا،

(۴) آیتوں کی وضاحت کی مثلاً اتخذوا احبارھم ورھبانھم اربابا من دون اللہ [3] (انھوں نے اللہ کے سوا اپنے عالموں اور درویشوں کو رب بنالیا) کے متعلق فرمایا کہ حقیقۃً رب بنانا نہیں مراد ہے بلکہ جائز و ناجائز اور حلال و حرام کرنے میں احبار و رہبان کا حق تسلیم کرنا مراد ہے۔

(۵) آیتوں کے شان نزول بیان کئے مثلاً وعلی الثلثۃ الذین خلفوا [4] (ان تین آدمیوں کی توبہ قبول کی گئی جو پیچھے رہ گئے تھے) میں تین آدمی کعبؓ بن مالک ہلال بنؓ امیہ اور مرارہ بنؓ ربیع کی تعیین فرمائی۔

(۶) اشکال کے جواب دیئے مثلاً یا اخت ھرون [5] (اے ہارون کی بہن) فرمایا کہ ہارون سے مراد نبیؑ نہیں بلکہ دوسرا شخص ہے، اسی طرح مرنے کے بعد دوسری زندگی کے بارے میں طرح طرح اشکالات کے جواب دیئے۔

(۷) مجمل آیتوں کی تشریح کی جس کے بغیر صحیح مفہوم سے واقفیت دشوار تھی، مثلاً معروف منکر، طیبات اور خبائث وغیرہ کی تفصیل

[1] انعام ۹ [2] بقرہ ۲۳ [3] توبہ ۲۰ [4] ایضاً ۱۴ [5] مریم ۲۰

(۸) مطلق آیتوں کو موقع و محل کے لحاظ سے مقید کیا، مثلاً جرائم کی سزاوں سے متعلق آیتوں پر عمل درآمد کی تفصیل بیان کی۔

(۹) احکام کی شرطیں، رکاوٹیں، اور قیدیں وغیرہ بیان کیں جن کے بغیر ان پر عمل دشوار تھا۔ مثلاً نکاح، طلاق، خرید و فروخت وغیرہ معاملات کی تفصیل۔

(۱۰) نئے احکام بیان کئے جن کا صریح ذکر اگرچہ قرآن میں نہیں ہے لیکن وہ اس سے مستنبط ہوتے ہیں، مثلاً پھوپھی کی موجودگی میں بھتیجی سے نکاح یا خالہ کی موجودگی میں بھانجی سے نکاح وغیرہ۔

(۱۱) جزئی احکام کے موقع و محل متعین کئے جیسے تیمم و نماز قصر کے مواقع اور شرعی رخصتوں کے فعل وغیرہ

(۱۲) اصول و کلیات کو مثال کے ذریعہ واضح کیا جس سے قیاس و استنباط کی راہیں کھلیں، مثلاً پالتو گدھے، دانتوں سے شکار کرنے والے درندے اور پنجہ سے شکار کرنے والے پرندوں کو خبائث میں شامل کرکے حرام قرار دیا۔

(۱۳) اصل کو فرع پر منطبق کرکے دکھایا اور اس کے حدود و قیود بتائے جس سے دوسری فرع کا حکم نکالنے میں سہولت ہوئی جیسے مردہ جانور کی حرمت اور ذبیحہ کی حلت کا حکم تو موجود ہے۔ لیکن ذبیحہ کے پیٹ سے جو بچہ نکلے اس کا حکم نہیں معلوم ہے، رسول اللہ نے اس کا حکم بیان کیا۔

(۱۴) جزئیات پر مشتمل عام قاعدہ کی تشکیل کی جس سے مصالح مرسلہ استحسان (فقہ کے دو اہم اصول) میں کام لیا گیا۔ مثلاً

لا ضرر ولا ضرار فی الاسلام[1] — اسلام میں نہ نقصان اٹھانا ہے۔ اور نہ نقصان پہنچانا ہے۔

(۱۵) قرآن حکیم میں جن مصالح و مقاصد کو ملحوظ رکھکر احکام و اصول مقرر کئے۔ رسول اللہ ؐ نے ان کو پیش نظر رکھ کر بہت سے جزئی احکام بیان کئے جن سے اجتہاد کا دروازہ وسیع ہوا، اور شرعی احکام کو برمحل منطبق کرتے ہیں سہولت ہوئی۔

شاطبی نے الموافقات جز ثانی میں نہایت تفصیل کے ساتھ مصالح و مقاصد کی بحث کی ہے، اور راقم کی کتاب مسئلہ اجتہاد پر تحقیقی نظر میں بھی مل جائے گی۔

عقل بشری دنیوی حالات سے متعلق حدیثوں کا سرچشمہ ہے

جیساکہ اوپر کہا گیا ہے شعور نبوت ان حدیثوں کا سرچشمہ ہے، جن کا تعلق دین و شریعت سے ہے، لیکن جو حدیثیں دنیوی حالات و تجربات سے متعلق ہیں۔ ان کا سرچشمہ "عقل بشری" ہے، جن کے بارے میں رسول اللہ ؐ نے فرمایا ہے۔

انما انا بشر اذا امرتکم بشیئ من دینکم فخذوا بہ واذا امرتکم بشیئ من رائی فانما انا بشر[2] مسلم باب وجوب امتثال ما قالہ شرعاً دون ماذکرہ صلی اللہ علیہ وسلم من معائش الدنیا

میں ایک انسان ہی ہوں جب میں تمہارے دین کے بارے میں کوئی حکم دوں تو اس کو پکڑو اور جب اپنی رائے سے کچھ کہوں تو بس میں انسان ہوں

دوسری روایت میں ہے۔

انتم اعلم بامور دنیاکم[3] (ایضاً)

تم اپنے دنیاوی امور کو زیادہ جانتے ہو۔

تیسری روایت میں ہے۔

---

۱ مسلم ابواب البیوع ۲ ایضاً ۳ ایضاً

انی ظننت ظنا فلا تؤاخذونی بالظن ولکن اذا حدثتکم عن اللہ شیئاً فخذوا بہ فانی لن اکذب علی اللہ (مسلم باب وجوب امتثال ما قالہ شرعاً دون ماذکرہ صلی اللہ علیہ وسلم من معایش الدنیا علی سبیل الرأی)

میں نے گمان سے ایک بات کہی تھی تم ان باتوں کو (شرعی حیثیت سے) نہ لو لیکن جب میں اللہ کی طرف سے کچھ کہوں تو اس کو لے لو میں اللہ پر کبھی کوئی جھوٹی بات نہیں کہتا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ تشریف لانے کے بعد باغبانوں کو کھجور کی پیداوار کے بارے میں ایک مشورہ دیا تھا۔ (تابیر نخیل کے منع فرمایا تھا) لوگوں نے اس پر عمل کیا۔ لیکن وہ مفید نہ ثابت ہوا۔ اس پر رسول اللہ نے مذکورہ بالا الفاظ فرمائے، درایتی معیار کا اصل تعلق شعور نبوت سے ہے، اس بنا پر عمل بشری سے متعلق حدیثوں پر گفتگو کی اسوقت ضرورت نہیں ہے۔ (باقی)

تذکرۃ المحدثین

اس میں مولفین صحاح ستہ کے علاوہ دوسری صدی ہجری کے آخر سے چوتھی صدی ہجری کے اوائل تک کے مشہور اور صاحب تصنیف محدثین کرام مثلاً۔ عبد الرزاق بن ہمام، احمد بن حنبل، دارمی، ابن جارود، ابو یعلی موصلی، ابن خزیمہ، طحاوی وغیرہ ائمہ حدیث کے حالات وسوانح اور ان کی خدمات حدیث کی تفصیل بیان کی گئی ہے، پہلے مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی کے قلم سے مقدمہ پھر اصل کتاب ہے جو صاحب موطا، امام مالک کے حالات سے شروع ہوئی ہے۔

مولفہ:۔ ضیاء الدین۔ اصلاحی

قیمت:۔ آٹھ روپے

انشورنس

(اسلامی نقطۂ نظر سے)

تحریر:۔ ڈاکٹر عبد الرحمٰن تاج

ترجمہ:۔ از۔ مولوی محمد ایوب صاحب اصلاحی استاذ مدرسۃ الاصلاح سرائے میر،

(یہ مقالہ، قاہرہ میں مجمع البحوث الاسلامیہ کی ساتویں کانفرنس میں پیش کیا گیا تھا)

بیمہ کمپنیوں کے دو کام ہیں (۱) زندگی کا بیمہ کرنا (۲) مال کا بیمہ کرنا اور ان دونوں قسموں کے بیموں کا مقصد جان و مال کے تحفظ و سلامتی کی ضمانت ہے، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ جان و مال کی ہلاکت کے خطروں کو روک دے گا۔ اور ان کی تباہی کے اسباب کو بند کر دے گا۔ کیونکہ یہ تو کسی کے بس کی بات نہیں ہے۔ کہ فرشتۂ اجل کو کوئی روک دے۔ یا جو آفات سماوی نازل ہوں۔ ان کو دور کر دے۔ یہ ایک نہایت ہی لغو بات ہوئے اور بہت بڑی حماقت ہے۔ ان میں سے کسی چیز کے متعلق بھی سلامتی و تحفظ کی ضمانت دیکا یا کسی مدعی کی اس طرح کی احمقانہ ضمانت قبول کی جائے۔

بیمہ کمپنیاں جان یا مال کے تحفظ و سلامتی کی جو ضمانت دیتی ہیں۔ وہ درحقیقت ایک طرح کی مراہنت ہوتی ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ بیمہ کمپنی بیمہ کرتے وقت اپنے ممبروں سے یہ عہد کرتی ہے۔ کہ اگر بیمہ شدہ جان یا مال کو کسی قسم کا ضیاع یا نقصان،

پہونچا تو کمپنی اس نقصان کے معاوضہ میں وہ رقم ادا کرے گی جسے ادا کرنا اس نے اپنے
اوپر لازم کر لیا ہے۔

زندگی کے بیمہ کی شکل یہ ہے کہ ایک شخص کسی مدت معینہ تک کے لئے ایک مقررہ
رقم پر کمپنی سے معاہدہ کرتا ہے۔ مثلاً اگر بیس سال کے لئے پانچ ہزار پونڈ طے پایا ہے
تو یہ شخص اس معاہدہ کی رو سے کمپنی کو مقررہ شرائط کے مطابق ماہانہ قسطوں میں
یہ رقم ادا کرتا رہے گا۔ اگر یہ شخص مقررہ مدت تک اپنی جان سلامتی کے ساتھ
بچا لے گیا تو کمپنی اس کی ساری رقم جو اس نے کمپنی کو دی ہے منافع کے ساتھ یا بغیر منافع
کے جیسا کہ طے شدہ شرائط میں ہوگا۔ اسے واپس کر دے گی لیکن اگر وہ شخص متعینہ مدت
کے درمیان ہی میں مر گیا تو کمپنی پوری مقررہ رقم اس کے ورثہ کو یا اس کے مقرر کئے ہوئے
جانشین کو ادا کر دے گی، چاہے مرنے والے نے اپنی زندگی میں بیمہ کی مقررہ رقم
میں سے ایک ہی قسط کیوں نہ ادا کی ہو۔

جسم کے مختلف اعضا کا الگ الگ بیمہ بھی پوری زندگی کے بیمہ جیسا ہے۔

مال کے بیمہ کی شکل یہ ہے کہ ایک شخص بیمہ کمپنی سے ایک معاہدہ کرتا ہے جس کی
رو سے کمپنی اس کے مکان یا موٹر یا اثاثہ یا تجارتی مال جو دوکان میں ہو یا وہ اسے
خشکی یا تری میں ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کر رہا ہو۔ ان کے علاوہ بھی مختلف
چیزوں کے تحفظ کی ذمہ داری لیتی ہے۔ اور مال کا مالک کمپنی کو مقررہ شرائط کے
مطابق ماہانہ یا سالانہ ایک متعین رقم ادا کرتا رہتا ہے۔ اس متعین رقم کی مقدار فریقین
کے درمیان بیمہ شدہ مال کی طے شدہ قیمت کے اعتبار سے مختلف ہوتی ہے۔

یہ مقررہ رقم، زندگی کے بیمہ کے برخلاف خالصۃً بیمہ کمپنی کی ہوتی ہے۔ مال مالک

کسی حالت میں بھی اسے واپس نہیں لے سکتا البتہ اگر بیمہ شدہ مال پر کوئی آفت آگئی
اور وہ تباہ و برباد ہو گیا تو اس تباہ شدہ مال کی پوری قیمت ادا کرنے کی ذمہ دار
کمپنی ہوگی، اگرچہ مال کے مالک نے بیمہ کی مقررہ رقم کی ادائگی صرف ایک ہی بار
کیوں نہ کی ہو۔

انشورنس کی دونوں قسموں کے بارے میں شرعی حکم

زندگی یا مال کے بیمہ کے موضوع پر علمائے متقدمین کا کوئی
خیال کہیں منقول نہیں ہے۔ اس لئے اس معاملہ کی حرمت
وحلت کے بارے میں ان کے کسی قول سے استناد ناممکن ہے۔ کیونکہ ان کے عہد میں
معاملت کی یہ قسم نہ تو اسلامی حدود مملکت میں کہیں رائج تھی۔ اور نہ اس پاس کے غیر اسلامی ملکوں
ہی میں اس طریقہ کا رواج تھا۔ لیکن اسلامی شریعت کے بنیادی اصول و قواعد، اور
علماء مجتہدین کے استنباط کئے ہوئے شروط و ضوابط کی روشنی میں بیمہ کی دونوں قسموں
کے متعلق شریعت کا نقطۂ نظر معلوم کیا جا سکتا ہے اس سے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ
بیمہ کی موجودہ شکلیں، اس کے قانونی اثرات اور اس کے وہ معروف و مشہور قیود و
شرائط جن کے مطابق بیمہ کمپنیاں چل رہی ہیں کیا ہیں؟ اور پھر اس کے بعد شریعت
اسلامی کے تفصیلی نصوص، عمومی کلیات اور فقہ اسلامی کے مصادر سے ائمہ مجتہدین کے
استنباط کئے ہوئے قوانین و ضوابط کی روشنی میں پوری تدقیق و تحقیق کے ساتھ ان سب کا
جائزہ لیا جائے تو توقع ہے کہ بیمہ کے متعلق شریعت اسلامی کا صحیح حکم معلوم ہو سکے بیمہ کے
علاوہ ان تمام معاملات و مسائل کا بھی یہی حال ہے جن سے گزشتہ زمانہ کے فقہاء کو کوئی
سابقہ پیش نہیں آیا۔

شریعت اسلامی کے بنیادی اصول اور بیمہ کمپنیوں کے مروجہ آئین و ضوابط کی بنیاد پر

ہمارا خیال ہے کہ مذکورۃ الصدر شکل میں بیمہ کے تمام معاملات اسلامی شریعت کے نقطۂ نظر سے قطعاً ناجائز ہیں۔ یہاں تک کہ زندگی کے بیمہ میں اس شکل کے جواز کی بھی کوئی گنجائش نہیں ہے، جس میں مدتِ معینہ کے خاتمہ تک زندہ رہنے کی حالت میں صرف اصل رقم جو حسب قرارداد فریقین طے پا چکی تھی۔ واجب الادا ہو۔ اور اس پر کوئی سود بھی نہ لیا جائے کیونکہ یہ معاملت بذات خود فاسد اور فاسد شرطوں پر مشتمل ہے۔ اور اس سے اکل مال بالباطل کی اباحت لازم آتی ہے۔ جو شرعاً ممنوع ہے۔ اور یہی حکم مال کے بیمہ کا بھی ہے۔ اس اجمال کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

علامہ ابن عابدین نے درمختار کے حاشیہ پر سوکرہ کے متعلق جس کا ان کے زمانے میں رواج تھا۔ اور جس کے بارے میں ان سے بہت زیادہ سوالات بھی کئے گئے تھے۔ ایک عمدہ بحث کی ہے۔ اس میں انھوں نے مال کے بیمہ کے متعلق شرعی حکم کا استخراج کیا ہے، علامہ نے اس معاملت کی صورت یہ بیان کی ہے کہ "تاجروں کا معمول ہے کہ جب کسی حربی سے کوئی کشتی اجرت پر لیتے ہیں تو اسے اس کی اجرت بھی دیتے ہیں۔ اور مزید ایک مقررہ رقم ایسے دوسرے حربی کو بھی دیتے ہیں۔ جو کشتیبان کے شہر کا رہنے والا ہوتا ہے۔ اس رقم کو (سوکرہ) کہتے ہیں۔ یہ رقم اس لیے دیجاتی ہے کہ کشتی کا مال جل کر یا ڈوب کر تباہ ہوجائے یا راستہ میں لوٹ لیا جائے۔ یا اور کسی طرح برباد ہوجائے تو وہ شخص اس کا ذمہ دار ہوگا۔ اس کام کے لیے اس کا ایک ایجنٹ اسلامی ملک کے کسی ساحلی شہر میں سلطان کی اجازت سے مقیم رہتا ہے اور وہ تاجروں کے ایسے تمام مال جو سوکرہ کے ذریعہ آتے ہیں وصول کرتا ہے۔ اور پھر صاحبِ مال کے حوالہ کرتا ہے اور اگر سمندر میں تاجروں کا کوئی مال ضائع ہوگیا تو وہ ایجنٹ ان تاجروں کو

ضائع شدہ مال کا پورا پورا معاوضہ دیتا ہے"۔

اس کے بعد ابن عابدین لکھتے ہیں کہ "میرے خیال میں اس تاجر کے لیے اپنے ہلاک شدہ مال کا معاوضہ لینا حلال نہیں، کیونکہ یہ "التزام مالا یلزم" ہے یعنی جو چیز شرعاً لازم نہیں ہے۔ اس کا التزام صحیح نہیں ہے۔ اور نہ کسی کو اس کا پابند کرنا صحیح ہے بس کسی مسلمان کے لیئے اس کا لینا حلال نہیں۔ اور نہ اس طرح کا معاملہ کرنا درست ہو کیونکہ معاملت کی یہ شکل فاسد ہے"۔

جب یہ اس بیمہ کا حکم ہے۔ جو ایک مسلم اور مستامن کے درمیان ہوتا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک مستامن دارالاسلام کے قیام کے دوران اپنے تمام معاملات میں اسلامی احکام کی رعایت کا التزام رکھتا ہے۔ جس کی وجہ سے اس کے مال کی حیثیت ذمی کے مال کی حیثیت کی طرح ہوتی ہے۔ اس لیئے اس کا کوئی مال دھوکے یا عقود فاسدہ کے ذریعہ لینا جائز نہیں ہے۔ پس جب اس طرح کا معاملہ ایک مسلم اور مستامن کے درمیان صحیح نہیں ہے تو پھر بیمہ کا وہ معاملہ جو ایک مسلمان اور ذمی کے درمیان ہو یا ایک مسلمان اور مسلمان کے درمیان ہو، کیونکر جائز ہوگا؟ یہ تو بدرجۂ اولیٰ فاسد ہوگا۔ اور اس طرح جو رقم لی جائے گی وہ بہرحال حرام ہوگی۔

مختصر یہ کہ ایک مسلمان کے لیئے دھوکا دینا، ناحق کسی کے مال پر قبضہ کر لینا قطعاً ممنوع ہے۔ خواہ فریق ثانی مسلمان ہو یا ذمی ہو یا مستامن ہو۔ ایک مسلمان کے لیے دارالاسلام میں ذمی اور مستامن سے بھی معاملت کی وہی صورت حلال اور جائز ہے جو مسلمانوں کے ساتھ ہوا کرتی ہے۔

ابن عابدین نے اپنے عہد میں مال کے بیمے کی جو شکل بیان کی ہے۔ اس سے معلوم

ہوتا ہے کہ اس معاہدہ میں ایک طرف مسلمان تاجر ہوتا تھا۔ اور دوسری طرف حربی اور ان دونوں کے بیچ میں ایک مستامن کی درمیانی عنصر کی حیثیت ہوتی تھی۔ اور یہ بات معلوم ہے کہ ایک مسلمان کے لیے دارالاسلام میں کسی مستامن سے کوئی فاسد معاملت جائز نہیں ہے۔ اور نہ کسی فاسد معاملت کے ذریعہ کسی حربی یا مستامن کا مال لینا حلال ہے۔ اور اگر کسی معاملت میں یہ درمیانی عنصر مستامن کا نہ ہو اور دارالاسلام میں ایک مسلمان اور حربی کے درمیان مراسلت کے ذریعہ بیمہ کی معاملت کی جائے یا دارالحرب میں ان دونوں کے درمیان یہ معاملہ ہوا ہو جب کہ وہ مسلمان دارالحرب میں مستامن ہو کر داخل ہوا ہو۔ یا ایک حربی اور دوسرے ایسے حربی کے درمیان یہ معاہدہ ہوا ہو جو کسی مسلمان تاجر کا شریک ہو تو خود اس معاملہ کا شرعی حکم کیا ہوگا؟ کیا اس رقم میں سے ایک مسلمان تاجر کے لیے اپنے حربی شریک سے کچھ لینا صحیح ہوگا۔؟ اس کا سیدھا جواب یہ ہے کہ دارالاسلام مین کسی مسلمان کے لیے یہ قطعاً جائز نہیں ہے کہ وہ کوئی بھی فاسد معاملت کرے جیسا کہ ہم نے پہلے ذکر کیا ہے۔ اس بنا پر اسلامی ملک میں رہتے ہوئے کوئی مسلمان اگر کسی حربی سے مراسلت کے ذریعہ بیمہ کا معاملہ کرے اور بیمے کی رقم بھی دارالحرب میں وصول کرے تو ایسے بیمہ کی رقم بھی حلال نہیں ہے۔ کیونکہ وہ دارالاسلام میں کیئے گئے ایک فاسد معاملت کی بنا پر یہ رقم لے رہا ہے۔

البتہ اگر یہ معاملت دارالحرب میں ایک حربی ایک ایسے مسلمان تاجر کے درمیان ہو جو مستامن ہو کر وہاں داخل ہوا ہو تو اس صورت مین یہ اسلامی احکام لاگو نہیں ہوں گے کیونکہ دارالحرب اسلامی احکام کا محل نہیں ہے۔ پس اگر دارالحرب میں یہ معاملت ہو اور وہیں لین دین بھی ہو جائے۔ تو اس مسلمان تاجر کے لیے اس رقم کا لینا جائز ہے۔ کیونکہ ایسی حالت میں ایک حربی کا مال خود حربی کی رضامندی سے لیا جائے گا۔ جو بہر صورت جائز ہے۔ یہاں تک کہ اگر غدر و فریب کا شائبہ نہ پایا جائے کہ دھوکا اور فریب ہر حال میں ممنوع ہے تو سود اور جوئے کے ذریعہ بھی ایک حربی کا مال حاصل کیا جا سکتا ہے۔

لیکن اگر یہ معاملت دارالحرب میں ہوئی ہو اور طے پایا ہو کہ مال کا لین دین دارالاسلام میں ہوگا تو اس کی دو شکلیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ اگر کسی نزاع کے بغیر باہمی رضامندی کے ساتھ لین دین ہو گیا تو مسلمان کے لیے اس مال کا لینا اسی طرح جائز ہے جس طرح وہ دارالحرب میں جائز تھا۔ دوسرے یہ کہ اگر باہم نزاع پیدا ہو جائے۔ اور معاملہ عدالت تک پہونچ جائے تو ایک مسلمان قاضی کے بس سے یہ بات باہر ہوگی کہ وہ ایک ایسے مال کے متعلق کوئی فیصلہ دے جو ایک فاسد معاملت کے ذریعہ کسی کے ذمہ عائد ہوتا ہو۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کوئی حربی جو کسی مسلمان تاجر کا شریک تجارت ہو اور اس نے بیمہ کا معاہدہ کسی دوسرے حربی کے ساتھ کیا ہو اور بیمے کی رقم صاحب معاملہ حربی سے وصول کر کے اپنے مسلمان شریک کے یہاں بھیجدی ہو تو اس مسلمان کے لئے اس کا بھی لینا حلال ہے کیونکہ وہ ایک حربی کا مال ہے جو اس کی رضامندی سے لیا گیا ہے۔ اور یہ معاملت دارالحرب میں ہوئی ہے اور اس پر قبضہ بھی دارالحرب میں ہوا ہے۔

اس بحث سے یہ معلوم ہوا کہ بیمہ کے متعلق شریعت کا یہ حکم کہ یہ معاملت فاسد ہے۔ اور تلف ہونے والے اور ہلاک ہونے والے مال کے بدلے کوئی معاوضہ لینا جائز نہیں ہے۔ اس اصل پر ہے کہ وہ کمپنی جس سے یہ معاوضہ لیا جاتا ہے۔

حقیقت میں اس نقصان اور اس کی ہلاکت میں اس کا کوئی ہاتھ نہیں ہوتا۔ اور معاملت کرنے والے کی جان و مال کے ساتھ نہ تو کوئی فریب کرتا ہے اور نہ کسی قسم کا دھوکا دیتا ہے ایسی صورت میں کمپنی کو معاوضہ کی ادائگی کا ذمہ دار ٹھرانا دراصل کسی کا ناحق مال کھانا ہے۔ جو یہ قطعی ممنوع ہے۔

اس سلسلہ میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ بیمہ کے معاملات جن کمپنیوں کے ساتھ کئے جاتے ہیں دراصل ان کی حیثیت مختلف حصص رکھنے والی کمپنیوں کی ہوتی ہے تو کیا یہ صحیح ہو گا کہ ان بیمہ کمپنیون کو کواپریٹو کمپنیوں کی حیثیت دیدیجائے جن مین اس کے حصہ دار اپنے رفقاء کے جانی و مالی نقصانات کی تلافی کے لئے بطور اعانت علی الخیر ماہانہ یا سالانہ قسطوں کی شکل میں اپنی اپنی رقمین جمع کرتے رہتے ہیں۔ اور وہ رقم کسی منافع بخش کام میں لگا دی جاتی ہے۔ تاکہ بوقت ضرورت وہ اس طرح کی ضروریات میں کام آسکے۔ اس طرح بیمے کی یہ کمپنیاں گویا امداد باہمی کی انجمنوں کے مشابہ ہوگی جن کا فنڈ ماہانہ چندوں کے ذریعہ اکٹھا ہوتا ہے۔ اور انجمن کے ممبران میں جو لوگ محتاج ہوتے ہیں یا کمانے سے معذور ہو جاتے ہیں یا بیمار ہوتے ہیں۔ یا اس قسم کا کوئی اور معاملہ پیش آجاتا ہے جس میں وہ امداد کے محتاج ہو جاتے ہیں۔ تو ان کی مدد کی جاتی ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ انشورنش کمپنیوں کو امداد باہمی کی انجمنوں پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ امداد اس قیاس کے صحیح ہونے کے لیے اتنا کافی نہیں ہے کہ دونوں کمپنیوں میں شرکت کرنے والے ایک متعینہ رقم جمع کرتے ہیں اور تعاون علی الخیر کے مواقع پر اس جمع شدہ رقم میں سے خرچ کرتے ہیں۔ امداد باہمی کی انجمنیں دراصل اپنے چندہ

دہندگان سے اعزازی طور پر رقم حاصل کرتی ہیں۔ اور ان جمع شدہ رقوم میں سے مخصوص ضروریات میں وہ جو رقم خرچ کرتی ہیں وہ بھی ممبران انجمن کی طرف سے اعزازی ہوتی ہیں۔ یہ کوئی واجب الادا رقم نہیں ہوتی۔ اور نہ اس میں کوئی ایسی پابندی ہوتی ہے کہ اس رقم کا تقاضا کیا جا سکے یا اس پر کوئی نزاع قائم کیجا سکے اور اس کا فیصلہ کسی شرعی عدالت سے حاصل کیا جا سکے۔ بیمہ کمپنیاں کسی کے جان یا مال کا جو معاوضہ ادا کرتی ہیں۔ ان کی یہ حیثیت ہرگز نہیں ہوتی، بلکہ بیمہ کے معاہدہ کی بنا پر کمپنی قانوناً اس بات کی پابند ہوتی ہے کہ اس سے تقاضا بھی کیا جائے۔ اس پر مقدمہ بھی قائم کیا جائے۔ اور عدالت کا دروازہ کھٹکھٹا کر خسارے کی ساری رقم اس سے وصول کر لی جائے۔ اور اس معاہدہ کے تقاضوں کا یہی وہ مکروہ پہلو ہے۔ جس کی شریعت اسلامی میں کوئی گنجائش نہیں ہے۔ یہ تو دراصل کسی شخص پر ایک ایسی چیز کو لادنا ہے۔ جو اس پر کسی حال میں بھی شرعاً ضروری نہیں ہے۔

اگر یہ کہا جائے کہ بیمہ میں اس بنیاد پر کہ جو چیز شریعت کی رو سے لازم نہیں ہے، اس کی پابندی کی جاتی ہے۔ اور کرائی جاتی ہے۔ نیز اس میں دوسروں کا مال ناحق کھانا روا رکھا جاتا ہے۔ اس لیے یہ ناجائز ہے تو پھر مرحوم شیخ محمد عبدہ کے اس مشہور فتوی سے اس خیال کی تطبیق کیونکر دیجا سکتی ہے۔ جس میں انھوں نے مذکورہ بالا وجوہ کو جانتے ہوئے زندگی کے بیمہ کی اجازت دیدی تھی۔ اور وہ بھی اس وقت جب کہ وہ دیار مصر کے مفتی تھے۔ لیکن اس وقت کے کسی عالم یا دینی امور کے کسی ذمہ دار شخص نے نہ تو اس پر کوئی گرفت کی اور نہ اس کا کوئی نوٹس لیا۔

اس اعتراض کا جواب دینے سے پہلے یہ مناسب ہوگا کہ سب سے پہلے وہ

سوال مع جواب کے درج کر دیا جائے جسے مستفتی نے دار الافتاء میں بھیجا تھا۔ اور جس کا جواب شیخ محمد عبدہٗ نے دیا تھا۔ اس کے بعد ان کے جواب کی نوعیت پر غور کیا جائے۔ سوالنامہ یہ تھا:۔

"موسیو ہور روسل نے پوچھا کہ ایک شخص کسی کمپنی سے اس شرط پر معاہدہ کرنا چاہتا ہے کہ وہ ایک خاص مدت تک اپنے مال میں سے مقررہ قسطوں میں ایک متعین رقم ادا کرے گا۔ اور جب اس معاہدہ کے مطابق مقررہ وقت پورا ہو جائے گا۔ اور کمپنی نے بھی اس سرمایہ کو اپنے کسی تجارتی کاروبار میں لگا کے فائدہ اٹھا لیا ہوگا تو وہ اپنا اصل مال منافع سمیت خود لے لے گا یا اگر وہ فوت کر جائے گا تو اس کے ورثاء یا سرپرست اس کے حق دار ہوں گے تو کیا یہ معاملہ جو اصحاب معاملت کے لیے نہایت سود مند ہے شرعاً جائز ہے؟ براہ کرم اپنی مفید رائے سے ہمیں مستفید فرمائیں"۔

شیخ محمد عبدہٗ نے اس سوال کا درج ذیل جواب مرحمت فرمایا۔

"اگر اس طرح کا کوئی معاملہ جس طرح آپ نے لکھا ہے کسی آدمی اور کمپنی کے درمیان ہو تو یہ معاملت شرعاً جائز ہے۔ اور اس آدمی کے لئے اقساط مقررہ کی مدت ادائیگی کے خاتمہ کے بعد اور سرمایہ کو کسی تجارت میں لگانے اور اس سے نفع حاصل کرنے کے بعد جائز ہے کہ اگر وہ زندہ رہے تو مال اس کے منافع کے ساتھ خود لے لے اور اگر فوت ہو گیا ہو تو اس کے جو ورثہ موجود ہوں یا جنہیں اس کے مرنے کے بعد اس کے مال میں تصرف کا حق حاصل ہو وہ اصل مع منافع کے لے لیں۔ واللہ اعلم"۔

شیخ محمد عبدہ کا یہی وہ فتویٰ ہے۔ جس سے انشورنس کے ایجنٹ فائدہ اٹھانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ اسلامی شریعت کے نقطۂ نظر سے بیمہ کے فاسد ہونے اور انشورنس سے فائدہ اٹھانے کو "اکل اموال بالباطل" نہیں سمجھتے ہیں۔ وہی لوگ زبردستی سے اس فتویٰ کی پناہ لیتے ہیں۔ حالانکہ مذکورہ بالا سوال و جواب پر اگر غور کیا جائے تو نہایت آسانی کے ساتھ یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ یہ فتویٰ در اصل بیمہ کمپنی کے لائف انشورنس یا پراپرٹی انشورنس سے متعلق ہی نہیں اور اس سوال و جواب میں انشورنس کے وہ بنیادی ارکان ہی نہیں پائے جاتے جو اس معاملہ کے لئے ضروری ہیں۔ اور جن کی وجہ سے ان کے فاسد ہونے کا حکم لگایا جاتا ہے۔ بلکہ یہ سوال در حقیقت اس مسئلہ سے تعلق رکھتا ہے جس میں ایک طرف کسی کا سرمایہ ہو۔ اور دوسری طرف کسی تجارت یا صنعت میں کسی کی محنت ہو۔ فقہاء کی اصطلاح میں اسے مضاربت کہتے ہیں۔ اور جس کا دوسرا نام (قراض) ہے۔ یہ سوال انشورنس کے جوہری عناصر سے بحث ہی نہیں کرتا مثلاً انشورنس کرانے والے کو اگر کوئی حادثہ پیش آ گیا۔ اور اس نے کئی برسوں میں ادا کی جانے والی مقررہ قسطوں میں سے صرف ایک ہی قسط ادا کی ہو۔ جب بھی بیمہ کمپنی پورے انشورڈ مال کو خواہ وہ دسوں ہزار کا ہو یا لاکھوں پونڈ کا ہو۔ ادا کرنے کی ذمہ دار ہوگی۔ اور یہی وہ شرط ہے جو در اصل جوئے کی اصل و اساس ہے۔ اور اس لئے کہ اس معاملت میں التزام ما لا یلزم پایا جاتا ہے۔ اور مال ناحق کو مباح ٹھہرانا اور غلط طریقوں سے لوگوں کا مال کھانا ہے۔

مسٹر ہوروس کے مذکورۂ بالا سوال میں اس طرح کی کوئی شرط نہیں ہے جو اس معاملت کے فساد کی اصل بنیاد کی حیثیت رکھتی ہو اور نہ یہ سوال کسی ایسی منفعت سے تعرض کرتا ہے۔ اور نہ اس کے حصول کے طریقوں سے بحث کرتا ہے، جو صرف مال کے ذریعہ حاصل ہوتی ہے اور مفتی کے لیے بھی اس کی گنجائش نہیں کہ وہ ایسے سوال کا جواب دے جو اس سے پوچھا ہی نہ گیا ہو۔ اور نہ مفتی کا کوئی جرم اور قصور رہے، اگر اس کے فتویٰ کا غلط استعمال کیا جائے اور اس کو اس کے موقع و محل میں نہ رکھا جائے۔ البتہ اگر مفتی ایسی صورت میں خاموش رہے۔ یا اس کو معلوم ہو کہ مثلاً اس کا ایسا فتویٰ جو صراحۃً مضاربت و فرائض جیسی معاملت کے جواز کے لیے ہے۔ وہ انشورنس کی ترویج و اشاعت کا ذریعہ بن جائے گا۔ پھر بھی وہ فتویٰ دیدے تو وہ یقیناً مجرم ہے۔ ایسی حالت میں مفتی کا فرض ہے کہ وہ اپنے فتویٰ کی جوابی تحریر میں ایسے الفاظ رکھے جن سے فساد کی راہ مسدود ہو سکے، اور وہ اس مسئلہ کے بارے میں بھی حکم شرعی بیان کرے جو اگرچہ اس سے پوچھا نہیں گیا ہے۔ لیکن اس کے سلسلے میں اس سے ناجائز فائدہ اٹھایا جا سکتا ہو جیسے یہی انشورنس کا مسئلہ ہے۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ فقہ اسلامی میں ودیعت، اجارہ، کفالۃ وغیرہ جیسے بہت سے ابواب ایسے ہیں جن میں معاملات کی بعض صورتیں ایسی ہیں جو انشورنس سے ملتی جلتی ہیں۔ اور فقہاء نے ان کے صحیح ہونے کا فیصلہ کیا ہے۔ مثلاً دو معاملت کرنے والوں میں سے کسی کا مال اگر دوسرے سے ضائع یا ہلاک ہو جائے تو وہ اس کا ذمہ دار ہوگا۔ اس کی روشنی میں بیمہ کو بھی قیاس کیا جا سکتا ہے۔ یعنی ایک

معاملت کرنے والے کے مال کے تلف یا ہلاک ہو جانے کی صورت میں بیمہ کمپنی دراصل معاہدہ کی بنا پر اس نقصان کا تاوان ادا کرتی ہے۔ جس کی حفاظت کا اس نے اس سے عہد کیا تھا۔ ایسی حالت میں اس کے ناجائز ہونے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے۔؟ ——— باب الودیعۃ میں فقہاء نے لکھا ہے کہ جب کوئی شخص کسی کے پاس کوئی امانت رکھے اور اس کی حفاظت کے بدلے اجرت بھی طے کر دے تو ایسی صورت میں اگر امانت ضائع ہو جائے تو امین اس امانت کا ذمہ دار ہوگا۔ پس مال کے بیمہ میں بھی یہی صورت ہونی چاہئے کیونکہ صاحب مال جو مال بیمہ کمپنی کے حوالہ کرتا ہے۔ وہ دراصل انشورڈ مال کے تحفظ کی اجرت ہوتی ہے۔ اور جب تھوڑا یا سارا مال ضائع ہو جاتا ہے تو بیمہ کمپنی تاوان میں اس کا معاوضہ ادا کرتی ہے

باب الاجارۃ میں بھی فقہاء نے (اجیر مشترک) کے متعلق لکھا ہے کہ وہ مستاجر کے مال کے تحفظ کا ذمہ دار ہے۔ اگر اس سے تلف ہو جائے گا تو وہ اس کا ضامن ہوگا۔ اسی طرح باب الکفالۃ میں بھی فقہاء کا قول ہے کہ کسی کے پاس کوئی مال ہے اور وہ ایک شہر سے دوسرے شہر کو منتقل کرنا چاہتا ہے۔ لیکن راہ میں چوروں اور ڈاکوؤں کا خطرہ ہے اور اسے یہ نہیں معلوم کہ کون سا راستہ محفوظ ہے اور کون سا غیر محفوظ۔ ایک آدمی اسے مشورہ دیتا ہے کہ فلاں راستے سے چلو یہ محفوظ راستہ ہے۔ اگر تمہارا مال ضائع ہوگا تو میں اس کا ضامن ہونگا۔ ایسی صورت میں اگر اسکا مال ضائع ہو جائے گا تو اس آدمی پر اس کی ضمان واجب ہوگی۔

یہ اور اس طرح کے دوسرے مسائل کا سہارا مال کے بیمہ کے جواز میں لیا جاتا ہے

لیکن یہ استدلال محض سطحی قسم کا ہے۔ اس سے وہی لوگ استدلال کر سکتے ہیں جو معاملات کے صرف ظاہری پہلو کو دیکھتے ہیں۔ حقیقت کو سمجھنے کی مطلق کوشش نہیں کرتے۔ بیمہ کی اباحت کے لیے ان مسائل کو کسی درجے میں بھی بنیاد نہیں بنایا جا سکتا۔ اگر ان مسائل کی اساس پر غور کیا جائے اور ان کے بارے میں علماء کے اقوال کو اچھی طرح سمجھنے کی کوشش کی جائے۔ تو معلوم ہوگا کہ ان مسائل سے کس ڈھٹائی کے ساتھ ناجائز فائدہ اٹھانے کی کوشش کیجاتی ہے۔

مثلاً امانت ہی والا مسئلہ ہے۔ اس مسئلہ میں صاف تصریح ہے کہ حفاظت کی اجرت کے ساتھ جو امانت کسی کو سونپی جائے۔ اس کے ضیاع کی ضمانت ہر حالت میں امین پر واجب نہیں ہے۔ بلکہ وہ صرف ایسے حالات میں واجب ہوگی جن میں ضیاع و تلف کے اسباب سے بچنے کا امکان ہوگا۔ اور اس نے اس سے بچنے کی کوشش نہ کی ہوگی۔ لیکن جن حالات میں ان سے بچنے کا امکان نہ ہوگا۔ مثلاً موت اور غرقابی وغیرہ۔ ایسی حالت میں امین پر اس کا ضمان نہ ہوگا۔ غور کیجئے امانت کے اس مسئلہ کو بیمہ کے معاملہ پر کیونکر منطبق کیا جا سکتا ہے۔ اس لئے کہ بیمہ تو ہر حالت میں مال کی ضمانت دیتا ہے۔ خواہ ضیاع و تلف کا کوئی سبب ہو یا نہ ہو۔ وہ حالات و اسباب کے درمیان ممکن اور ناممکن میں کوئی فرق نہیں کرتا کہ ان اسباب ہلاکت سے بچنا ممکن ہے اور ان اسباب سے بچنا ممکن نہیں ہے۔ بلکہ جیسا کہ معلوم ہے۔ انشورنس بیشتر ایسے ہی حالات و اسباب سے کرایا جاتا ہے۔ جن میں ضیاع کے اسباب سے بچنا ممکن نہیں ہوتا۔

بیمہ کرائے ہوئے مال کی حیثیت بیمہ کمپنی کے نزدیک نہ تو امانت جیسی ہوتی ہے۔

اور نہ اس کی حفاظت میں بیمہ کمپنی کی حیثیت اجیر کی ہوتی ہے۔ پھر امانت کے مسئلے پر انشورنس کے مسئلہ کو کیسے قیاس کیا جا سکتا ہے۔ بیمہ کیا ہوا مال کمپنی کے قبضے میں نہیں ہوتا اور نہ کمپنی کا اس سے کوئی تعلق ہوتا ہے۔ اور نہ وہ منڈیاں گودام اور کارخانے جن میں بیمہ کرایا ہوا مال ہوتا ہے۔ بیمہ کمپنی کے ہوتے ہیں۔ اور نہ سمندر میں لیجائے جانے والا سامان ان کمپنیوں کی کشتیوں اور جہازوں میں لدا ہوتا ہے۔ غرض ان کمپنیوں کا اس مال سے کسی قسم کا کوئی بھی تعلق نہیں ہوتا۔ ایسی حالت ان اموال کے ضیاع کی صورت میں ان کمپنیوں پر ضمان واجب کرنے کی کوئی شرعی وجہ نہیں ہے۔ وجوب ضمان کی جو شرائط تھیں وہ یہاں یکسر مفقود ہیں۔ بالفرض اگر بیمہ کمپنیاں سمندر میں مال تجارت لیجانے والی کشتیوں کی مالک بھی ہوں تو زیادہ سے زیادہ مال کے لیجانے اور ان کی حفاظت کے سلسلے میں ان کی حیثیت اس اجیر مشترک کی طرح ہوگی۔ جس کا حکم فقہ اسلامی کی رو سے اوپر گذر چکا ہے۔ یعنی جب ضیاع کا سبب ایسا ہو کہ اس سے بچنا ممکن نہ ہو تو ضیاع و تلف کی حالت میں اس پر کوئی ضمان واجب نہ ہوگا اور بیمہ کے معاملات میں صورت حال یہ نہیں ہے۔ جیسا کہ ہم سب جانتے ہیں۔

اب ہم آخری مسئلہ پر جس کے بارے میں ہم نے کہا تھا۔ کہ انشورنس کو مباح ٹھہرانے والے اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ گفتگو کرتے ہیں۔ وہ ہے کفالت یعنی راستہ کے محفوظ ہونے کی ضمانت کا مسئلہ۔ اس بارے میں فقہائے جو یہ حکم لگایا ہے کہ اگر کسی نے صاحب مال کو ایک خاص راستہ پر چلنے کا مشورہ دیا اور اس راہ میں اس کے مال کے ضائع ہوجانے کی صورت میں اس کے تاوان کی ذمہ داری بھی

ے لی تو اگر اس راستے میں اس کا مال ضائع ہوگیا تو ضمانت لینے والے پر کوئی ضمان واجب نہیں ہوگا۔ البتہ جب صاحب مال راستہ کے خطرات سے بالکل ناواقف ہو اور اس راستہ پر چلنے کا مشورہ دینے والے نے راہ کے خطرات اور اندیشوں سے پوری واقفیت کے باوجود یہ مشورہ دیا کہ وہ ضائع شدہ مال کے تاوان کی کا ذمہ دار ہوگا۔ کیونکہ اس نے صاحب مال کو فریب دیا اور اس کے ساتھ دغا لیکن اگر رہنما راستے کے خطرات سے واقف نہ ہو بلکہ اس کو ہر طرح سے مامون سمجھتا ہو تو پھر اس پر کوئی ضمان نہ ہوگا۔ ایسے ہی اگر رہنما بھی راستے کے خطرے سے آگاہ ہو۔ اور صاحب مال بھی واقف ہو جب بھی رہنما پر کوئی ذمہ داری نہیں ہوگی' کیونکہ ایسی صورت میں صاحبِ مال نے خود اپنا مال ضائع کیا۔ رہنما کی رہنمائی نے کوئی نئی بات نہیں پیدا کی جو ضمانت کی موجب ہو۔ یہ تمام تفصیلات فقہ کی متداول کتابوں میں موجود ہیں۔

خلاصہ یہ کہ شریعت کے اصول و قواعد اور اس کے احکام کے استقصا سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ کسی شخص پر دوسرے شخص کے مال کی ضمانت نہیں ہے نہ بعینہٖ وہ مال اور نہ اس کی قیمت اس وقت البتہ ضمان واجب ہوگا۔ جب کہ کوئی کسی کے مال پر ناحق قبضہ کرلے یا اسے ضائع یا بالواسطہ اسے اس مال سے فائدہ اٹھانے سے محروم کردے' ان میں سے کوئی بات بھی بیمہ کمپنیوں میں نہیں پائی جاتی یہ کمپنیاں تو صاحب مال کے اس مال کی ضامن ہوگئی ہیں جو خود جل کر یا غرق ہوکر یا چوروں کی چوری اور ڈاکوؤں کی لوٹ یا اسی قسم کے کسی اور حادثہ سے ضائع ہوگیا ہو۔ خواہ ان سے بچنا کمپنی کے لئے ممکن ہو یا نہ ہو۔ مال کی ضمانت کی

یہ صورت ایسی ہے۔ جس کی اسلام کی عادلانہ شریعت میں کوئی گنجائش نہیں، یہ شریعت تو ایسی شریعت ہے جو کسی حالت میں بھی ظلم اور غبن کو جائز نہیں سمجھتی اور نہ ناحق لوگوں کا مال کھانے کو پسند کرتی ہے۔

بیمہ کمپنیوں کو دراصل بیمہ شدہ مال سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ بیمہ کی ان قسطوں سے جنھیں معاملہ کرنے والے اصحاب مال سے حاصل کرتی ہیں، پہلے ایک عظیم سرمایہ اکٹھا کرتی ہیں۔ اور پھر اسے قرضوں اور دوسری شکلوں میں پھیلا کر اس سے نفع کماتی ہیں۔ پھر اسی کے بھاری منافع میں سے بیمہ شدہ مالوں کے نقصانات کا قانونی معاوضہ ادا کرتی ہیں، حالانکہ اس نقصان میں ان کمپنیوں کا کسی طرح سے بھی کوئی دخل نہیں ہوتا۔ نہ براہ راست اور نہ بالواسطہ اس لئے ان کمپنیوں سے ایسے نقصانات کی تلافی اور ان کے معاوضہ کا مطالبہ کرنا قطعاً غیر شرعی ہے۔ اسی طرح کمپنیوں کو بھی بیمہ کے شرائط کے مطابق مال والوں سے مقررہ مالی قسطوں کے لینے کا شرعاً کوئی حق نہیں ہے۔ یہ سارے لوازم و شرائط فاسد ہیں۔ اور جب معاہدہ فاسد شرط پر مشتمل ہوگا تو وہ خود بھی فاسد ہوگا۔

بیمہ کمپنیاں دراصل روپیہ کمانے اور نفع حاصل کرنے کا نفع بخش کاروبار ہیں ان کا راس المال (سرمایہ) عموماً وہی قسطیں ہوتی ہیں جنھیں انشورنس کمپنیاں اپنے ممبران سے حاصل کرتی ہیں۔ پھر انھیں نفع بخش کاروبار میں لگا کر فائدہ حاصل کرتی ہیں اور وہ منافع جنھیں اس مال سے حاصل کیا جاتا ہے قطعی طور پر اور ہر حال میں اس گھاٹے سے زیادہ ہوتا ہے جو نقصانات کے معاوضہ کی ادائیگی کی صورت میں یہ اپنے ممبروں کو ادا کرتی ہیں۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ بیمہ کمپنیوں کے

سارے کام بہت ہی دقیق مطالعہ اور تفصیلی اعداد وشمار کی روشنی میں عمل میں لائے جاتے ہیں جو بری، بحری وسائل نقل وحمل کی نگہداشت اور عام حالات میں معمول کے مطابق نفع ونقصان کے تحفظ سے متعلق ہوتے ہیں۔ یہ مطالعہ اور اعداد وشمار ثابت کرتے ہیں کہ اس کاروبار میں نقصان اور ضیاع کی مقدار بہت کم بلکہ شاذ ونادر ہی ہوتی ہے عموماً مال محفوظ رہتا ہے۔ اور بیمہ کمپنیاں بغیر کسی تکلف کے کبھی کبھی اور اتفاقیہ ہوجانے والے نقصانات کی تلافی اپنی وسیع کمائی سے کردیتی ہیں۔ اور باقی تمام سرمایہ کمپنی کا ہوجاتا ہے جو سرتاسر نفع ہی نفع ہوتا ہے۔

مال کے بیمہ کے متعلق ان کمپنیوں کی یہ نہایت ہی واضح اور متعین پالیسی ہے۔ تھوڑے سے اختلاف اور شرائط وطرق کے تنوع کے ساتھ ایسی ہی صورتِ حال زندگی کے بیمے کی بھی ہے۔

ان مباحث کا خلاصہ یہ ہے کہ بیمہ زندگی کا ہو یا مال کا، شریعت اسلامی کے نزدیک معاملات کی کسی بھی صحیح شکل کے تحت نہیں آتا۔ زیادہ سے زیادہ اس کو اس سلسلہ کی تیسری قسم میں داخل کیا جاسکتا ہے جس کی طرف ہم اوپر اشارہ کرچکے ہیں یعنی زندگی یا مال کے لئے راہ کے امن وسلامتی کی ضمانت، ہم نے اس تیسری قسم کی وضاحت میں بیان کیا ہے کہ

"اس طرح کی معاملت میں بھی شرعاً ضمان اسی وقت واجب ہوگا جب کہ رہنمائے راہ کے تمام خطرات کو جانتے ہوئے فریب سے مشورہ دیا ہو اور صاحبِ مال بھی جو اس غلط مشورہ کی بنا پر چل پڑا ہے۔ راہ کے خطرات سے بالکل ناواقف ہو، اس کے وجوب کی وجہ صرف یہ ہے کہ رہنما نے اس مسافر کو کھلا ہوا

دھوکا دیا اور فریب سے کام لیا، لیکن انشورنس میں اس طرح کے دھوکے یا فریب کا کوئی احتمال نہیں۔ اس لئے بیمہ کو اس پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔

بیمہ کمپنیوں کی یہ وہ شکلیں ہیں۔ جن پر ان کا کاروبار چل رہا ہے۔ ان کمپنوں نے خود ساختہ قوانین کے تحت روپیہ پیدا کرنے کے ان تمام ذرائع کو مباح قرار دیا ہے جو انکے بنائے ہوئے قوانین کے تحت آتے ہوں، اس کی صحت کی شرط صرف اس معاہدہ کے دونوں فریقوں کا باہمی اتفاق ہے۔ گویا باہمی اتفاق ہی ان قوانین کی نظر میں فریقین کی اصلی شریعت ہے۔ لیکن اسلامی شریعت کی اپنی مخصوص شکلیں اور خصوصی احکام ہیں۔ اس نے لوگوں کے درمیان معاملات کی جملہ اقسام کو ایسی شرطوں کا پابند کردیا ہے جن میں خلل انداز ہونے کی اجازت نہیں اور نہ ان کے خلاف اتفاق کرنے سے وہ جائز ہوسکتی ہیں۔

جب دنیاوی قوانین دو آدمیوں کے درمیان ایسے اتفاق اور معاہدہ کو جو عام نظام کے خلاف ہو تسلیم نہیں کرتے تو اسلامی شریعت کے احکام میں جو سارے انسانوں کے درمیان تعامل کے لئے بنائے گئے ہیں۔ ایسے اتفاق ومعاہدہ کو کس طرح تسلیم کیا جاسکتا ہے۔

خواجہ عزیزالدین عزیز کی شاعری

از جناب سید ضیاء الحسن صاحب استاد فارسی، مجیدیہ اسلامیہ کالج، الہ آباد،

(۳)

خواجہ صاحب کے دماغ پر جنون کا اثر ہوگیا تھا۔ اس کے متعلق تذکرۂ شمع انجمن میں ہے،

در آغاز شباب بسودائے آبکار افکار، جنونے عسیر البرء بسرش پیچید و بعد زمانے بشرف زیارت طب القلوب صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ در عالم رویا مرضش بصحت انجامید"[1]

مثنوی شروع کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔

برخیز عزیز و راہ سر کن   گر مرد رہی قدم ز سر کن
بسم اللہ کن برہ گرائی   کین بس انگشت رہ نمائی

پھر صفت بسملہ اور صفت قرآن میں چند اشعار ہیں۔

ہر مرغ بیان کہ کرد پر باز   از بسملہ یافت بال پرواز
از بسملہ کردہ ام چو چوگان   اینک من و خصم و گوئی و میدان
ہست از ید قدرتش نمایان   انگشت اشارہ سوی قرآن

سی گنج بیگ خزانہ اندر   ہر گنج ہزار عقد گوہر
خوش رنگ بجلوہ ہر گل او   خوش زمزمہ ہفت بلبل او
کی مدنی بگفتگویش   ہندی عجمی بآرزویش

نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کا تذکرہ اس طرح کرتے ہیں ع

آن پردہ نشین حجلۂ راز   میخواست کہ پردہ را کند باز
شمعی پئی انجمن ہمی خواست   پروانۂ او شدن ہمی خواست
ہرجائے کہ او نماز می کرد   آں جائے بخویش ناز می کرد
از پرتو آن سہیل اعظم   شد رنگ پذیر ادیم آدم
آن روز او را خلیفہ کردند   کان گوہر بے سپر دند
ہم نار خلیل گلشن از وے   ہم چشم کلیم روشن از وے
روشستہ و موی شانہ کردہ   در گنجم ازل خزانہ کردہ
ایزد بجفا ظلتش بپرداخت   از ہفت ستارہ ہیکلش ساخت
عالم کہ بپارسائی افروخت   دفتر کدہ ہائے پارسی سوخت
جبریل امیں بدرس پرداخت   پنج آیۂ اقرا ابجدش ساخت
در احمدؐ میم درمیاں نیست   این راز بدیدہ در نہاں نیست
چوں دید محمدؐ ش شد از ہوش   بگرفت احد سرش در آغوش

الحق مشہود و شاہد است او

احمد۔ محمود و حامد است او

مثنوی میں کئی باتیں ایسی ہیں جن سے ذرا طوالت بیجا ہوگئی ہے۔

[1] تذکرۂ شمع انجمن ص ۳۳۲

مثلاً طے امراحل در وادی دل" سرگذشت بر احوال" خود" خطاب به نفس خود، اظہار "عشق حقیقی" اور غاشیہ داری خامہ بر سبیل خطاب باّنجناب" وغیرہ۔

آخر میں خواجہ صاحب نے خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا ہے۔

دیدم کہ روان سبک چو آبم   بر سر شدہ چتر زن سحابم

ہم قافلۂ بہار گشتم   بر نکہتِ گل سوار گشتم

جاں ناقہ براہ دوست می راند   غوغائی نفس حدی ہمی خواند

رہ بود ہمہ ز خار و خس پاک   وز ابر بہار خاک نم ناک

دیدم کہ بر آستانۂ خاص   استادہ یکے ز ردی اخلاص

بحر عرفان ز آستینش   ملکِ وحدت تہہ نگینش

لب کرد سپید چوں مراد دید   دیدم کہ دمید صبح امید

پیش آمدم و سلام گفتم   گفتا ز کجا، تمام گفتم

فرزند عراق و نے دمشقم   یعنی کہ غریب شہر عشقم

دستم بگرفت و کام جاں داد   نعلین بر درم نشاں داد

چون گشت درست جملہ کارم   دادند بہ بزم خاص بارم

بزمے کہ غبار آستانش   ریزند بعرش ساکنانش

بزمے کہ ز روشنی جا دید   فارغ ز فروغِ ماہ و خورشید

یکسوی نشستہ بہ جمالاں   یک سوی ستادہ نونہالاں

خوش سیرت وخوش جمال وخوشروئے   خوش طینت وخوش خصال وخوشخوئے

گز گوشۂ چشم مہربانی   ممتاز شدم بہ میہمانی

سیراب ز شہد و شیر گشتیم   خوردیم چنانکہ سیر گشتیم

تا حشر بخواب بودم ای کاش   کاین درد بکس نمی شدی فاش

زاں روز کہ آں جمال دیدم   یک لحظہ بخود نیارمیدم

ہر شب ہمیں خیال خوابم   کاں دولتِ رفتہ باز یابم

وانگاہ کہ دل بدرد آید   از شدت شوق می سراید

اے یوسف حجلہ گاہِ خوابم   بنگر کہ چہ بہ تب و تابم

اے دولت رفتہ زود باز آئے   باز از رہ مہر جلوہ فرمائے

چشمم کہ مدام خوں بگرید   یکرہ بنگر کہ خون بگرید

یا بر سر جلوہ آئے بچشم   یا زود بخواں بسوی خویشم

بے روئے تو گشتہ بزم دوراں   تاریک چو چشم پیر کنعاں

بے روئے تو گشتہ بزم دوراں   تاریک چو چشم پیر کنعاں

دل بے تو کہ بار بار نالد   بنگر کہ چہ زار زار نالد

روزے کہ عزیز با دل چاک   داغِ تو برد بجوشش در خاک

گویند ز رشک ہے فلاں مرد   آرایش عالم از میاں برد

یارب ز جہاں چو بار بندم   چشم از خود و روزگار بندم

از داغِ غمِ تو توشہ ام بس   وز خاک در تو گوشہ ام بس

بر نام تو بادہ اختتامم   لبریز ز بادۂ تو جامم

اس کے بعد مثنوی ہدیۃ الثقلین ختم ہو جاتی ہے۔

قیصر نامہ یہ مثنوی سکندر نامہ کے وزن پر اور اس کے جواب میں ہے۔ اس میں جنگ روم اور روس کا تذکرہ ہے۔ علامہ سید سلیمان ندوی نے خواجہ عزیز کی قابلیت کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے۔

"خواجہ صاحب کی علمی قابلیت کے ثبوت کے لیے قیصر نامہ جس کو جنگ روم و روس کا ایک مرقع کہنا چاہیے پیش[۱] کیا جا سکتا ہے، نمونہ حمد ملاحظہ ہو۔

بنام خداوند کار آفرین
ہزار آفریں صد ہزار آفریں

ازل تا ابد بارگاہ ویست
کراں تا کراں در پناہ ویست

اگر از جلالش زند دم زباں
بلرزد سپہر بجنبید جہاں

رخ غازیاں رانجواں غازہ ساز
باآب دم تیغ جاں تازہ ساز

بجکش ابابیل چوں پر زند
صف زندہ پیلاں بہم بر زند

نمونہ نعت :-

بمعنے ز رحمت نخست آیتے
بظاہر ز دولت پسیں رایتے

زمیں تا فلک روشن از دین او
ز آئینہ روشن تر آئین او

ز مہر نبوت کہ بر پشت زد
بمہر سلیماں زد انگشت رد

بریدار آن روضہ شاداں شوم
اگر خار پا شم گلستاں شوم

بخاک درش کاش خاکم کنند
کز آلائش خاک پاکم کنند

مدح سلطان عبدالحمید :-

[۱] دار العلوم ندوۃ العلماء کی روئداد سال دوم۔ اجلاس قیصر باغ لکھنؤ ۱۳۱۲ھ ۱۸۹۵ء ص ۱۰۱

باورنگ شاہنشہی پائے اوست
دلی در دل عالمے جائے اوست

ہمیں پاسبانش کہیں خانقاہ
کہیں دیدبانش کہیں خوابگاہ

ز بنشش قوی پشت اسلامیان
بدر درش بلند اختر شامیاں

درش مرجع ہفت ملت بود
دلے مرکز پنج نوبت بود

فوج پلونہ وعثمان پاشا :-

برآشفت سلطاں ازیں دار و گیر
بفرمود بنوشت فرماں دبیر

کہ سالار عثمان جنگ آزمائے
ز ایوال بہ میداں شور گرائے

برآراست اسپہبد صف شکن
قشونے بترکان شمشیر زن

ہمہ کاردان و قواعد شناس
چو ایمان خود جملہ محکم اساس

ہمہ نوجوانان ماہوت پوش
بخاکستری جامہ آتش فروش

عثمان پاشا :-

سپہدار عثمان جنگ آزمائے
خردمند دانا دل تیز رائے

محیطے وچوں کوہ آتش بجوش
نہنگے بکف اژدہائے بدوش

جوانان ترک :-

ازیں سوئے ترکان طاعت گزار
بکار خداوند سرگرم کار

وضو کردہ ہر یک بخوناب خویش
بشوق سجودی سر افگندہ پیش

نمازی بخوں جا بجا ساختہ
دل از مہر و آزرم پرداختہ

شمردند محراب شمشیر را
رسانند بر عرش تکبیر را

[۱] خادم الحرمین الشریفین۔

بہ پیکار کارے کہ تکبیر کرد   نہ شمشیر میکرد ونے تیر کرد

چناں سوئے شمشیر عریاں شدند   کہ گوئی ہم آغوش حوراں شدند

میدان کارزار میں عثمان پاشا کے گھوڑے کے ۔ ۔ ۔ ۔ اترنے کی منظر کشی

سمندش کہ میگشت در کوہ و دشت   ز بس تیز رفت از جہاں درگذشت

عثمان پاشا کے جہاز سے اتر کر امیر المومنین کی خدمت میں حاضر ہونے کی منظر کشی

نخستیں بپا بوس سلطاں رسید   بلے قطرہ آخر بہ عماں رسید

سزد ہر را داغ بر دل نہاد   کہ سلطاں بہ پیشانیش بوسہ داد

کہ بوسہ تمنائے اخلاص بود   کہ تمنائے عثمانئی خاص بود

غرض مختلف اہم جنگی مناظر کا تذکرہ بڑے دلکش انداز میں کرتے کرتے مثنوی اختتام تک پہنچا دیتے ہیں۔ تلواریں نیام میں پہنچ جاتی ہیں۔ اور سلسلہ کشت و خون بند ہو جاتا ہے۔ سہ

چو شمشیر ہا رفت اندر نیام   کشیدم زباں من ہم آخر بکام

کسی زمانے میں اس جنگ کا تذکرہ زبان زد خاص و عام تھا۔ ہر مسلمان ترکوں کی کامیابی کی دعا میں مشغول تھا، اب تو شاید اس جنگ کے نام سے بھی نئی نسل آشنا نہ ہوگی،

مثنوی ارمغان لاجواب   اس مثنوی کا دوسرا نام "گلگشت کشمیر جنت نظیر" ہے۔ جیسا کہ نام سے ظاہر ہے، اس میں کشمیر کے خوبصورت دلکشش مناظر اور اہم و مشہور مقامات کا ذکر ہے۔ مقالے کی طوالت کے خوف سے صرف منظر کشی کی

چند مثالیں پیش ہیں۔

پہاڑی علاقوں میں پُر پیچ راہوں اور بل کھائی ہوئی پگڈنڈیوں کے قدرتی حسن سے لطف اندوز ہوئے۔ سہ

رہ پیچاں چو مارے حلقہ زن ہست   کہ از دارے معلق چوں رسن ہست

رہے پیچیدہ تر از خط ترسا   تو آں چو آں خامہ زرفتن بیک پا

بریں رہ دیدہ ہر رہرو کہ بکشاد   تو پنداری کہ مو در چشمش افتاد

ز بس باریکی ایں رہ بنست پیدا   بزیر پا بود خط کف پا

کشمیر کے دارالسلطنت سری نگر کی تعریف میں خواجہ صاحب یوں رطب اللسان ہیں۔

بہر بامے زند بلبل ترانہ   بپائے خود رود گل خانہ خانہ

بہر بزمے ز گل روشن چراغے   بود ہر خانہ را خانہ باغے

بہر سو لالہ زار و سبزہ زار است   کہ داغستان و ملک سبزہ زار است

دو عالم یک گل رعنائے باغش   ارم گم کردہ خود را در سراغش

ڈل جھیل کشمیر کی مشہور ترین جھیل ہے۔ اس کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

خوشا آبے کہ مشہور آں بدل ہست   نہ دل تسنیم را نعم البدل ہست

بدریا ماہ اندر نقرہ کاری   بگلشن زر فشاں باد بہاری

غرض غزل ہو کہ قصیدہ، مثنوی ہو کہ مرثیہ، خواجہ صاحب نے ہر ہر صنف سخن میں طبع آزمائی فرمائی ہے اور اس کے ایسے نمونے چھوڑے ہیں جو فارسی ادب میں نمایاں مقام رکھتے ہیں۔

قصائد اصنافِ شاعری میں قصیدہ ایک اہم اور نازک صنف ہے۔ اس لئے کہ قصیدہ کا اصل موضوع مدح ہے۔ اور مدح اسی کی ہونی چاہیۓ جو مدح کے قابل ہو۔ اور مدح میں جو کچھ کہا جائے سچ کہا جائے۔ جھوٹ اور مبالغہ سے پرہیز ہو۔ حضرت عمر فاروقؓ نے جو شعر وادب کے بہترین نقاد تھے۔ مشہور شاعر زہیر کی مدح گوئی کی تعریف ان الفاظ میں فرمائی ہے، "ان کا ترجمہ یہ ہے" ۔۔۔۔ وہ لوگوں کی صرف ان ہی خوبیوں کی تعریف کرتا تھا جو اُن میں واقعی پائی جاتی تھیں۔

قصیدہ کے الفاظ پرشکوہ اور تشبیب ممدوح کی شان کے مطابق ہونی چاہیۓ، اس کے بعد قصیدہ کا وہ حصہ آتا ہے جو گریز کہلاتا ہے، یہ بہت نازک مرحلہ ہوتا ہے اس میں شاعر بڑے حسین انداز سے مدح کا رخ موڑ کر اصل مقصد کی طرف آتا ہے، جو شاعر جتنا زیادہ کہنہ مشق ہوگا اتنی ہی خوبصورتی سے اس نازک مرحلہ سے گذرے گا۔

قصیدہ کسی لالچ اور انعام کی خواہش میں نہیں کہنا چاہیۓ۔ یہ اہم صنفِ سخن اسی تملق اور چاپلوسی کی وجہ سے بدنام ہوئی۔ مگر یہ شرطیں کم ہی شعرا پوری کرتے ہیں۔

خواجہ عزیز الدین عزیزؔ لکھنوی کے قصیدوں میں وہ تمام خوبیاں موجود ہیں جو ایک باکمال شاعر کے معیاری قصائد میں ہونی چاہئیں۔

خواجہ صاحب نے امرا کی شان میں قصائد بھی لکھے ہیں۔ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نعتیں بھی اور ہر جگہ کامیاب ہوئے ہیں۔ ان کے قصائد عموماً مختصر ہیں۔ اور ان کی ابتدا بڑے اچھے انداز کی ہے۔ مثلاً ایک نعتیہ قصیدہ انسان کی بڑائی اور عظمت کے بیان سے شروع ہوتا ہے۔ پھر عظیم انسانوں کے ذیل میں حضرت عیسی علیہ والسّلام اور حضرت موسی علیہ السلام اور دوسرے پیغمبروں کا تذکرہ کیا ہے۔ اور ان تمام پیغمبروں کو ستارے قرار دے کر محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کو طلوعِ آفتاب سے تعبیر کیا ہے۔ ملاحظہ ہو۔

با این صفا کہ از زمیں انسان بر آمدہ — گوئی ز خاک چشمۂ حیواں بر آمدہ

زاں چشمہ قطرہ قطرہ بود بحر بیکراں — زاں بحر بیکراں دُر و مرجاں بر آمدہ

از خاک چشمہ کہ بود فیض آں محیط — دز نار برق خرمنِ ایماں بر آمدہ

آساں مگیر خلقتِ انساں کہ گوہرش — بسیار سعی رفت کہ ارکاں بر آمدہ

گہ با جمال عیسیٰ مریم نمود روئے — گہ با جلال موسیٰ عمراں بر آمدہ

گاہے زگیر ودار گرو ہے زپائے دار — بر طارم چہارم گیہاں بر آمدہ

یونس ز بطن ماہی و یوسف ز قعر چاہ — نوح از بلائی ورطہ طوفاں بر آمدہ

شد مہر نیمروز خجل از فروغ جود — چوں ماہ نیم ماہ زگیلاں بر آمدہ

گہ آبیار مزرع شرع شریف شد — گہ چشمہ سار بحر عرفاں بر آمدہ

گہ فرخی فزائی جہاں شد چو مشتری — گہ پاسبان خلق چو کیواں بر آمدہ

ہر کوکبے کہ جلوہ ہمی کرد شد نہاں — کز مکہ آفتاب درخشاں بر آمدہ

فر فروغ آں ہمہ عالم فرا گرفت — ہر ذرہ ہمچو آئینہ حیراں بر آمدہ

ہر شش جہت ز پرتو آں رو نقے گرفت — ہر ہفت ہفت گنبد گرداں بر آمدہ

شد خاکِ مردہ زندہ و سر سبز کوہ و دشت — از ہر کنار سنبل و ریحاں بر آمدہ

حسان ثابت از عرب آمد مدیح سنج — از ہند ہم عزیزؔ ثنا خواں بر آمدہ

تناسب الفاظ بھی قصائد کے لیے ضروری ہے اسی سے قصیدہ میں حسن پیدا ہوتا ہے۔ مثلاً

یکے ز چہرۂ او برقعہ ز آستین کلیم — یکے ز جلوۂ او خانہ وادیٔ ایمن

یکے چو جام مل آمد عیاں ز طاقِ بلند — یکے چو بوئے گل آمد چهاں ز طرفِ چمن

یکے ز ظلمت او مرغ جام در فریاد — یکے ز فرقت او خلق شام در شیون

مضمون کو جاندار بنانے کے لئے پرشکوہ الفاظ کا استعمال بھی بڑی اہمیت رکھتا ہے خواجہ صاحب کے قصائد اس لحاظ سے بھی بڑے پرشکوہ ہیں۔

قطرہ تا دریای عماں از نوالش مستفیض — ذرہ تا خورشید تاباں از جمالش مقتبس

این شبِ وصل است یارب تا نیاز دم زدن — صبح راکن مبتلائے علتِ ضیق النفس

یکے بہ طلعت سقلابیان اطلس پوش — یکے بصورت اعرابیان عریان تن

اے زہے موسیٰ بنام وای خہی موسیٰ عصا — من عصی و من غوی گردید رزق اژدہا

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی منقبت میں خواجہ صاحب کا قصیدہ زبان وبیان کی فصاحت وبلاغت معانی کی گہرائی اور پختگی کے لحاظ سے اپنی مثال آپ ہے۔ اس قصیدہ میں خواجہ صاحب نے سب سے پہلے دنیا کا ذکر کیا ہے اور اعلیٰ معیار کی زندگی پر روشنی ڈالتے ہوئے کہتے ہیں کہ پرہیزگاری کی زندگی کے باوجود روزِ محشر کی باز پرس سے ڈرتے رہنا چاہئے

چیست دنیا مشت خاکے تیرہ پس کوری بود — از برائے مشت خاکے دل مکدر داشتن

بار دنیا ہر کسے برداشت گاوے میش نیست — شیر مرد ست آنکہ داند دل ازو بر داشتن

لیک باید خویش را با این ہمہ سعی و تلاش — خوفناک از باز پرسِ روز محشر داشتن

اس کے بعد دنیا کو ہیچ قرار دے کر اس سے قطع نظر کرنے اور اس سے خودشناسی کا سبق لینے کی تلقین کرتے ہیں۔

بگذار از بیہودہ گردی بگسل این سر رشتہ را — خویش را تا چند سرگرداں چو فرفر داشتن

شو جہاں افروز ہری نے کہ ہمچو آئینہ — میتوانی خانہ خود را منور داشتن

پھر کچھ اور اخلاقی تعلیمات دینے کے بعد حضرت علیؑ کی طرف گریز کرتے ہیں اور

ان کے نام کو اسم اعظم قرار دیتے ہیں۔

رہنمائی کردہ ام در پردۂ این رمز و بس — بایدت راہے بمقصد زین در آید داشتن

حیدر صفدر کہ اسمش اسم اعظم ہست زاں — میتواں در کف کلید ہفت کشور داشتن

بندہ اش را بس بود بہر شکستِ لشکرے — در بغل شمشیر و بر لب نام حیدر داشتن

آں جہان پاک خواند از انکسارش بوتراب — خاک را می باید از افلاک برتر داشتن

نیست جز تائید پی در پی کہ چوں خیبر درے — کندن و بر کندہ را بر کندہ منبر داشتن

ہم خدا خرسند و باید بخت و طالع ہم بلند — از نبی دختر گرفتن زاں دو اختر داشتن

قصیدہ کا آخری حصہ بھی قابل دید ہے۔ خواجہ صاحب نے کس انداز سے اپنی تمنا کا اظہار کیا ہے۔ اور ممدوح پر جان نچھاور کرتے ہوئے ان سے رخصت ہوتے ہیں:

بادشاہا سرورا تو خواجہ و من چاکرت — خواجہ را چشم کرم باید بہ چاکر داشتن

بندہ کم خدمت دل سادہ را خوش طالعیست — خواجہ مسکیں نواز و بندہ پرور داشتن

جاں کہ از دورِ فلک رنجور و محزوں آمدہ — در جوار روضۂ آں خواجہ ہم مجاور داشتن

می رسد گر برسواد ایں ورق ناز و عزیزؔ — آسماں بر خود چرا بالد ز اختر داشتن

نامۂ شوقے کہ دارد آں سوادے از خلوص — بایدش بہتر ز صد طومار و دفتر داشتن

گرنہ از وصف فلک خواہد برابر سنجیدنم — در ترازو از چہ ہست این خوردۂ زر داشتن

نے غلط گفتم فلک زینت سنگ ایں عیار — گوہری نتواں شدن از گنج گوہر داشتن

گر تو با خاک رہِ خویشم بسنجی از کرم — بیشش من بہتر بود از سیم سنجر داشتن

خوش بہشت ہشت بہر مدح گستر روز حشر — جاں بزیر آں لوائے سایہ گستر داشتن

مکتوب سری لنکا

از پروفیسر ڈاکٹر اختر امام صدر شعبۂ اسلامیات و عربی، سری لنکا یونیورسٹی

۲۰۶، ٹرین کومالی اسٹریٹ، کینڈی، سری لنکا،

پیارے دیرینہ دوست سید صباح الدین صاحب سلام و محبت

کل صبح ایک طویل سفر کے بعد " وطن " لوٹا ہوں۔ خطوط کے ہجوم میں دیکھا کہ ہمارا دیرینہ دوست اور بیسیوں سنجیدہ کتابوں کا مصنف بھی مسکرا رہا ہے۔ دل میں کہا کہ دوستی کی شریعت میں گناہ کبیرہ کا مرتکب ہونگا اگر سب سے پہلے اس مخلص سے ہاتھ نہ ملاؤں اس لئے اولین فرصت میں نیم ملاقات کے بعد آپ کو یہ چند سطریں لکھ رہا ہوں۔ سولہ دن شیوعیت کے ہر دوا ہیں گذارنے کے بعد واپسی میں کراچی اتر پڑا تھا تاکہ عزیز و اقارب سے مل سکوں، اردو میں باتیں کروں، مشاعروں میں شرکت کروں اور گلابی جاڑے میں شمامۃ العنبر یا موتیا سے دل و دماغ کو معطر کروں۔ کراچی کے بعد لاہور گیا جہاں منجملہ اور حضرات کے پروفیسر ارشد بھٹی سے بھی ملتا تھا۔ جنھوں نے اسلامی زاویۂ نظر سے کوئی آدھ درجن درسی کتابیں اردو میں لکھ ڈالی ہیں۔ ان کتابوں سے قطع نظر انھوں نے اسلامیات پر بھی اپنی سنجیدہ تصنیفیں پیش کی ہیں۔ لاہور میں کڑاکے کی سردی تھی تاہم اہل علم کی صحبتوں سے دل کو گرماتا رہا۔ وہاں سے اسلام آباد گیا۔ جہاں بچپن کے ہم سبق شمیم دیسنوی کو بھی ڈھونڈ نکالا۔ شمیم ڈھاکہ میں طبابت کرتے تھے۔

اور گرداب بلا سے صحیح و سلامت بچ کر نکل گئے تھے۔ جب چوتھائی صدی نہیں بلکہ نصف صدی کے بعد ان سے ملا تو سر کے بال بالکل سفید نظر آئے، ویسے تندرست ہیں مگر ضعیفی کے آثار، خد و خال سے نمایاں تھے۔ اسلام آباد سے کراچی پہنچا۔ اور ۱۰ ردسمبر کو جب لنکا کے مطار میں قدم رکھا تو ساون بھادوں کی جھڑیاں لگی ہوئی تھیں۔ ناریل کے خوشنما پتے ہواؤں میں جھوم رہے تھے، اور زعفرانی چادروں میں لپٹے لپٹائے ہوئے بھکشو آجا رہے تھے۔ ابھی مشکل سے گھر پر ایک ہی ہفتہ گذرا تھا کہ سرکاری حکمنامہ ملا کہ کمربستہ ہو کر کل جو تجارتی وفد جزیرۃ العرب اور شمالی افریقہ جا رہا ہے اس میں شامل ہو جاؤں، دیار عرب اور مصر کے چپہ چپہ سے واقف پہلے بھی تھا مگر اس سفر میں ایک دلکش عنصر یہ بھی پیش نظر تھا کہ معمر قذافی کے لیبیا میں سانس لینے کا موقع ملیگا۔

کولمبو سے کراچی ہوتا ہوا کویت پہنچا۔ یہ ہمارے طویل سفر کی پہلی منزل تھی، سہ پہر کا وقت تھا ہم لوگ مطار سے تقریباً بارہ میل سفر کرنے کے بعد شہر میں داخل ہوئے۔ کویت کے متعلق ہمارا خیال یہ تھا کہ تیل کی بیشمار دولت سے ہوگا یہ بھی امیر شہر مگر عام مشرقی شہروں کی طرح جہاں چند سڑکیں تو خوشنما مکانوں اور دکانوں سے دلکش ہوا کرتی ہیں۔ مگر شہر کا بقیہ حصہ عموماً گندہ ہی ہوا کرتا ہے۔ اور خاک اڑتی رہتی ہے مگر کویت میں داخل ہونے کے بعد کچھ یوں محسوس کیا جیسے میں ہیمبرگ یا میونک کے کسی حصہ میں سانس لے رہا ہوں، وہی مغربی طرز کے فٹ پاتھ اور سڑک کے وسط میں دور تک درختوں کی قطاریں تاکہ آمد و رفت کے لیے علیحدہ سڑک ہو۔ آراستہ مکانوں اور جگمگاتے ہوٹلوں کو دیکھتا چلا گیا! رات کے وقت سیر سپاٹے کے لیے نکلا اور قلب شہر سے ہٹ کر رہائشی علاقوں اور گلیوں کا رخ کیا۔ اور ہر دو قدم کے بعد مجھے مغربی یورپ کے شہروں کے مضافات ہی

نظر پڑے۔ دل میں کہا کہ دیارِ عرب اور یہ صفائی! علمی اعتبار سے بھی کویت عربی دانشکدوں
کا سرتاج ہے۔ ایک دل خوش کن حقیقت یہ بھی ہے کہ روئے زمین پر کسی ملک میں انفرادی
ماہانہ آمدنی کویت کے برابر نہیں ہے۔

کویت سے بغداد پہنچا جہاں پہلے بھی پاکستانی ملازمت کے زمانے میں رہ چکا تھا۔
سڑکوں کے کنارے کتب فروش کتابوں کو پھیلائے بیٹھے تھے۔ جہاں ادب اور مذہب
کے علاوہ لینن اور کارل مارکس کے شیوعی تصورِ حیات پر بھی کتابیں موجود تھیں۔ اخباروں
میں پہلے وزیروں کے ناموں کے ساتھ معالی الوزیر یعنی ہز ایکسلنسی لکھنے کی رسم تھی
اب اس کی جگہ "رفیق" نے لی ہے۔ جو کامریڈ کا ترجمہ ہے۔ سرکاری عمارتوں پر جلی حروف
میں ہر جگہ جو چیز جاذبِ توجہ تھی وہ یہ ہے کہ

أمة عربية أمة واحدة، ذات رسالة خالدة بعض گلیوں میں بھی
نحن امة اشتراكية "بھی زینتِ دیوار تھا۔ سرکاری اعلیٰ عہدہ داروں سے بھی تبادلۂ
خیال کا موقع ملا اور سبھوں کو یہی کہتے سنا کہ عربی اشتراکیت میں اقتصادی فلاح و بہبودی
کا راز مضمر ہے نحن عرب قبل كل شئ سے بھی گوش آشنا ہوا ۔۔۔ وفد کے کاموں اور
ترجمانی سے فراغت ہوئی تو سیدنا حضرت محی الدین الجیلانیؒ کے آستانے پر بھی سلام کے لیے
حاضر ہوا۔ یہ بھی عجیب روحانی دربار ہے قلب کو فرحت نصیب کیسے نہ ہوتی؟ جمعہ کی
نماز امام ابو حنیفہ کی مسجد میں ادا کی جو اب بھی امام اعظم کے نام سے پکارے جاتے ہیں
اور پورا محلہ الاعظمیہ کہلاتا ہے۔ مسجد کے باہر جو قدیم گورستان ہے اس کا بیشتر حصہ
کھود کر برابر کر دیا گیا ہے۔

۵۱ئہ میں ہمارا یہ دستور رہا کرتا تھا کہ امام الاعظم کی مسجد سے نکل کر اس تاریخی

گورستان کا رخ کیا کرتا تھا، تاکہ منصور حلاج کے ہمعصر مشہور صوفی حضرت ابوبکر شبلیؒ
کو فاتحہ پیش کر سکوں۔ ایک قابلِ غور بات یہ بھی ہے کہ اہلِ بغداد کس کس قبر کو محفوظ رکھیں
اس خاک میں تو سیکڑوں درخشندہ ستارے دبے ہوئے ہیں۔ امتدادِ زمانہ سے جہاں
اور قبریں مٹ چکی ہیں ان میں امام احمد ابن حنبلؒ کی ضریح مبارک کا نام و نشان
بھی مٹ چکا ہے۔ وہی امام حنبل جنھوں نے متضاد سیرت کے حامل المامون کے
ہاتھوں قید خانہ کی سختیاں برداشت کیں۔ اور مسند کی ضخیم جلدیں لکھ ڈالی تھیں اور
بقول ابن خلکان جب جنازہ اٹھا تو لاکھوں مردوں کے علاوہ کم از کم ساٹھ ہزار
عورتیں بھی جنازہ میں شریک تھیں۔ قبروں کا نشان باقی رہے یا نہ رہے، یہ بھی
ان نفوسِ قدسیہ کی طرف سے اعلان ہوتا رہا ہے کہ

بعد از وفات تربتِ ما در زمیں مجو — در سینہ ہائے مردمِ عارف مزارِ ماست

بغداد سے قاہرہ گیا اور پھر وہاں سے اسوان تاکہ سدّ العالی بھی دیکھ لوں،
پھر ہمارا وفد سرکاری عنایتوں سے لکسر (۵۰ × ۵۵۰ میل) گیا۔ فراعنۂ مصر کے عالیشان
محلوں کے کھنڈرات دیکھ کر ان کی عظمت بیدار ہو جاتی ہے۔ ان محلوں کو مصری
الاقصر کہتے چلے آئے ہیں، اور یہی الاقصر ۔۔ اب فرنگی لہجہ سے لکسر کے نام سے مشہور ہے۔
عید کی نماز میں نے ماسکو میں پڑھی تھی، اور عید الاضحیٰ کی الاقصر میں۔ نیل کے
کنارے اُس روز رنگ برنگ ملبوسات کی بہار تھی۔ زنگا رنگ بادبان تیز ہواؤں
میں آنچلوں کی طرح لہرا رہے تھے۔

مشہور یہودی کروڑ پتی راک فلر نے بیش بہا رقم مصری اثری اکتشافات کے لیے
دی تھی، جب آثار فراعنہ منظرِ عام پر آئے تو دنیا ان کی مردہ ثقافت کو دیکھ کر

انگشت بدنداں ہو گئی تھی، پھر مصریوں کو ماقبل اسلام تہذیب فراعنہ کا احساس ہوا اور رفتہ رفتہ وہ اس کے گرویدہ ہو گئے۔ قاہرہ ریلوے اسٹیشن کے باہر مشہور فرعون رامیس کا بت نصب کیا گیا، ڈاکخانہ کے ٹکٹوں اور نوٹوں پر فراعنہ کی صورتیں ظاہر ہوئیں اور یہ فرعونیت اب بھی عروج پر ہے۔

ان اکتشافات سے فرنگستان اور امریکہ کا جو مقصد تھا وہ پایہ تکمیل کو پہنچ گیا یعنی یہ کہ مصری اسلامی تہذیب نہیں بلکہ فرعونی تہذیب کے گرویدہ ہو جائیں، آپنے دیکھا کہ۔

کجا می نماید کجا می زند

مغربی مورخین اپنی تہذیبی میراث کا ذکر خیر یونان سے شروع کرتے ہیں، پھر رومۃ الکبریٰ کے شاندار کارناموں کو سراہنے کے بعد صدیوں کو پھاندتے ہوئے یورپ کی نشاۃ ثانیہ پر آکر دم لیتے ہیں جیسے غرناطہ اور قرطبہ قابل توجہ ہیں۔

جب میں طرابلس پہنچا تو فجر کا تارا جھلملا رہا تھا۔ ہوٹل پہنچتے پہنچتے اجالا ہونے لگا تھا۔ ہم لوگ اپنے اپنے کمروں میں جا کر بستروں پر دراز ہو گئے۔ رت جگا کے خمار کو دور کرنا ہی تھا ناشتہ کے بعد جب باہر نکلا تو پہلی چیز جو نظر آئی وہ یہ کہ دکانوں کے تختوں پر کہیں بھی لاطینی رسم الخط میں کوئی تحریر نہ تھی۔ بس عربی ہی عربی۔ طرابلس ایک دلکش اور آراستہ شہر ہے۔ مغربی طرز کا جنوبی فرانس یا بلجیم کے پایہ تخت برسلز سے ملتا جلتا۔ جب وزیر تخطیط یعنی (Minister of planning) سے ملاقات کا تبادلہ خیال کے بعد بحر روم کے کنارے کنارے ہوتے ہوئے وزیر النفط یعنی وزیر روغن کے یہاں جا رہے تھے، تو چوراہوں پر موٹے حرفوں میں تین چار شاہراہیں نظر آئے۔ اُسے آپ بھی ملاحظہ فرمائیں۔

"إدفع بالتي هي احسن فاذا الذي بينك وبينه عداوة كانه ولي حميم" (قرآن کریم)

آگے چل کر دوسری شاہراہ پر جس آیت کریمہ پر نظر پڑی وہ یہ تھی :۔

"وقل اعملوا فسيرى الله عملكم ورسوله والمؤمنون" (قرآن کریم)

جب سڑک سے کار مڑی تو دیوار پر نمایاں حرفوں میں یہ مطبوعہ کاغذ چپکا دیکھا :۔

"إن الله يحب الكسب كسب الرجل من عمل يده" (حدیث شریف)

قلب شہر میں پھر معمر قذافی کی تقریر کا جو حصہ قابل توجہ تھا وہ یہ کہ :۔

"الثورة الثقافية لا تنبع من فراغ انما تنطلق مسلحة بالنظرية الثالثة وهي ليست من صنع الإنسان انما هي عودة لتطبيق الإسلام"

دوسری جگہ ایک سرکاری عمارت پر یہ آیۃ شریفہ لکھی تھی :۔

"وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا وَّلَا تَفَرَّقُوا" (قرآن کریم)

ایک ریستوران کے اندر موٹے حرفوں میں لکھا تھا۔

"النظافة من الايمان"

یہی نہیں بلکہ تبلیغ کا دائرہ شاہراہوں سے ہوتا ہوا ایک دینار کے نوٹ تک آگیا تھا۔ نوٹ پر لکھا ہوا تھا۔

"ولا تاكلوا اموالكم بينكم بالباطل" اور اس کے نیچے "صدق الله العظيم"۔ یہاں نہ فرعون کی تصویریں تھیں اور نہ ماقبل اسلام کی روایات سے تہذیبی سلسلہ جوڑا گیا تھا۔

جب میں قرآن وحدیث کے ارشادات عالیہ کو دیکھ رہا تھا۔ تو مشہور تاریخ "الفخری" کا مصنف ابن طقطقی یاد آیا جس نے بنوامیہ کے رجحانات کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

سلیمان مشہور خوش خوراک تھا، اسے لذیذ کھانوں کا بیحد شوق تھا اس کے عہد میں عوام جب دمشق کے بازاروں میں ملتے تھے تو ایک دوسرے سے پوچھا کرتے تھے رات تم نے کیا پکایا تھا۔ یزید بن معاویہ کے دور حکومت میں ناچ گانے کا زور تھا، اور شراب کھلم کھلا پی جاتی تھی کیونکہ بادشاہ شراب کا رسیا تھا، اور گوری گوری دوشیزاؤں کے جھرمٹ میں سانس لیتا تھا یہی مورخ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے عہد کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتا ہے کہ لوگ بازاروں میں جب ملتے تو آپس میں پوچھتے تھے کہ رات تم نے تہجد کی نماز پڑھی یا نہیں؟ صباح الدین صاحب یہ ہے عکس "الناس علی دین ملوکھم۔" کا طرابلس میں اسلامی شریعت کی فضا کیسے نہ ہو جب کہ جواں سال معمر قذافی شریعت کا پابند ہے۔

پہلے جہاں شراب خانے تھے، وہ اب مختلف قسم کے شربتوں سے آباد ہیں۔ آپ کو ہوٹلوں میں نارنگی، انار، انگور اور سیب کے رس ملیں گے، شراب کا کہیں نام ہی نہیں ہے۔ قمار خانے اور مراقص (ناچ گھر) ویران پڑے ہیں۔ ملک میں چوری کی وارداتیں گویا ناپید ہو چکی ہیں۔ طوائفوں کی جماعت کا خاتمہ ہو چکا ہے۔ دکانوں میں ایمانداری کا یہ عالم ہے کہ نہ چور بازاری ہے اور نہ دغابازی۔ اگر کوئی شراب پیتا ہوا پایا گیا یا کسی بیرونی ملک سے بوتل لے آیا تو شریعت کے مطابق سزائیں دی جاتی ہیں۔

ایک دن میں نے اپنے ہوٹل میں چند خوش پوشاک افریقیوں کو دیکھا جو مشک فام تھے میں نے سلام کے بعد ان سے پوچھا کہ آپ کس ملک سے آئے ہیں۔ میں نے سوال انگریزی میں

کیا تھا، اس نے فرانسیسی میں کہا کہ وہ مغربی افریقہ کی جمہوریہ گابون (Gabon) سے آیا ہے کیونکہ وہاں کے صدر جمہوریہ عمر گابون کل تشریف لائیں گے۔ یہ پہلے رومن کیتھولک تھے اور گذشتہ سال مشرف باسلام ہوئے۔ صدر گابون کی تشریف آوری کے بعد اسی ہوٹل میں صدر لیبیا معمر قذافی نے ایک دعوت کی جس میں ہمارا وفد بھی شریک ہوا اور میں اس جلیل القدر رہنمائے ملت سے مل سکا۔ دعوت میں ڈنر کے موقع پر نارنگی اور سیب کا رس گلاسوں بھرا ہوا تھا، دوسرے دن شام کو طرابلس کے روزنامہ "الفجر الجدید" میں پڑھا کہ کل شام کو بارہ گابونی عمائدین جمہوریہ نے اپنی شریک حیات کیساتھ قذافی کے ہاتھ پر کلمہ شہادت پڑھا اور اسلامی برادری میں شریک ہوئے۔ وہ اخبار اس وقت ہمارے سامنے ہے اور سبھوں کے اسلامی نام افریقی ناموں کیساتھ درج ہیں۔

طرابلس کے ساتھ اسلامی تاریخ کے زریں ایام وابستہ ہیں۔ اسی طرابلس کی خاک سے فاطمہ بنت عبداللہ طلوع ہوئیں جن کی جرأت اور شہادت پر ابوالکلام نے ایک خون کو گرمانے والا مقالہ لکھ ڈالا اور اقبال کی وہ معرکۃ الآرا نظم فاطمہ بنت عبداللہ آپ کے سامنے ہے، اسی طرابلس کے جیالے استعمار فرنگ کا ڈٹ کر مقابلہ کرتے رہے، اور برتر عسکری قوت سے جام شہادت پیتے رہے جس کی صدائے بازگشت اقبال کی اس نظم میں ہے جس میں شاعر مشرق کہتے ہیں۔

حضور دہر میں آسودگی نہیں ملتی — تلاش جس کی ہے وہ زندگی نہیں ملتی
مگر میں نذر کو اک آبگینہ لایا ہوں — جو چیز اس میں ہے جنت میں بھی نہیں ملتی

جھلکتی ہے تری امت کی آبرو اس میں
طرابلس کے شہیدوں کا ہے لہو اس میں

ہاں ایک اور خصوصیت لیبیا کی یہ ہے کہ نہ صاحب المعالی اور کامریڈ سے وزرا کو یاد کیا جاتا ہے اور نہ صاحب السعادۃ سے بلکہ محض "الأخ" یعنی بھائی سے۔ دیکھا آپ نے بغداد اور طرابلس کا فرق؟

واپسی میں شاہ فیصل سے ملنے کے لیے ہم لوگ جدہ گئے، جہاں شاہی محل میں باریابی ہوئی۔ میں وفد سے رخصت ہو کر مکہ مکرمہ گیا تاکہ عمرہ کی سعادت نصیب ہو۔

ہاں آپ نے ہمارے لندن کے قیام کے بارے میں پوچھا ہے، میں ایک سال سے اوپر یونیورسٹی کی اجازت سے برطانوی میوزیم میں عرب اور سیلون سے متعلق مواد جمع کرتا رہا۔

اب ان مصادر کے سہارے اپنی کتاب کو ترتیب دے رہا ہوں۔ ۱۹۷۱ء کے اکتوبر میں شاہ ایران کی دعوت پر ڈھائی ہزار سالہ جشن ملوکیت میں شرکت کے لیے گیا تھا، جہاں شیراز میں کنگرۂ ایران شناسان (World Congress of Irano-logist-) میں ایک مقالہ Ceylon-Iran Cultural Relations پر ایک مقالہ بھی پڑھا تھا جو اور علماء کے مقالوں کے ساتھ کتابی صورت میں تہران سے شائع ہوا ہے۔

ہماری اہلیہ ٹھیٹھ سیلونی ہیں۔ یہ لوگ Moor کہلاتے ہیں۔ میں نے انھیں اردو سکھا دی ہے۔ ان سے صرف اردو میں باتیں کرتا ہوں۔ یہی نہیں بلکہ دوران سفر مین بہاریوں کی توجہ سے انھوں نے آلو کی بھجیا، ورقی روٹی، تری کھچڑی، اور پلاؤ پکانا سیکھ لیا ہے۔

شمالی ہندوستان سے یادیں وابستہ ہیں۔ جی چاہتا ہے کہ اچانک اعظم گڑھ آدھمکوں اور آپ کی زیارت نصیب ہو۔

لنکا کے شہر کینڈی مین جو کولمبو سے بہتر میل وسط جزیرہ مین ہے، رہتا ہوں، ۱۹۶۰ء میں جب کہ میں انڈونیشیا میں تھا، استعفا دے کر چلا آیا تھا اور ۱۹۶۴ء میں باضابطہ طور پر یہاں کا شہری بن گیا۔ اب سیلونی پاسپورٹ پر دیس بدیس مارا مارا پھرتا ہوں۔

یہ جزیرہ بیحد دلکش ہے، شادابیاں تو بس پھٹی پڑتی ہیں۔ خوشبودار مسالوں اور رنگارنگ وادیوں میں ہمارے لیل و نہار گذر رہے ہیں۔

جزیرہ میں اکثریت سنہالیوں کی ہے، جو بدھ مت کے پیرو ہیں۔ یہ لوگ گائے کا گوشت بھی کھاتے ہیں۔ اور سور کا بھی۔ ان میں مذہبی تعصب نہیں ہے مسلمانوں سے خوشگوار تعلقات ہیں۔

مورخ البلاذری نے فتوح البلدان میں لکھا ہے کہ سیلون کو ہم لوگ جزیرۃ الیاقوت بھی کہتے ہیں کیونکہ یہاں کی دوشیزائیں بے حد خوبصورت ہیں۔ اس کے الفاظ یہ ہیں:-

انما سمیت هذه الجزیرة جزیرة الیاقوت لحسن وجوه نساءها۔

ہمارے لنکائی صاحبزادے اب ماشاء اللہ وکیل ہو گئے ہیں۔

طرابلس سے جو کارڈ یہاں آیا تھا وہ اس وقت حاضر خدمت ہے۔

آپ کا دیرینہ دوست

اختر

مطبوعات جدیدہ

اہلحدیث اور سیاست، مرتبہ مولانا نذیر احمد رحمانی مرحوم متوسط تقطیع کاغذ کتابت وطباعت اچھی صفحات ۳۰۴ مجلد مع گرد پوش قیمت لعہ پتہ: (۱) مکتبہ سلفیہ (مرکزی دار العلوم) پوسٹ بکس ۱۹ بنارس، (۲) مکتبہ مرکزی جمعیۃ اہلحدیث ہند ۱۳۱۷ پریس اسٹریٹ دہلی ۶

جمعیۃ اہلحدیث کے علماء واعیان کے تراجم اور ان کے علمی و تصنیفی خدمات کے متعلق مولوی ابو یحییٰ امام خان نوشہروی مرحوم کی کتابیں عرصہ ہوا چھپ چکی ہیں، زیر نظر کتاب میں جمعیۃ کے معروف صاحب علم و قلم اور پرجوش کارکن مولانا نذیر احمد رحمانی مرحوم نے گذشتہ تحریک آزادی میں طبقۂ اہلحدیث کی سرگرمیاں دکھائی ہیں، اس کی ابتداء مولانا اسماعیل شہیدؒ کے مجاہدانہ کارناموں سے کی گئی ہے اس کے بعد حضرت سید احمد شہیدؒ کی جماعت مجاہدین کے اُن اصحاب کا ذکر ہے، جو ان کے زمانہ میں اور ان کی شہادت کے بعد ان کے مشن کو چلاتے اور سیاسی تحریکوں میں حصہ لیتے رہے ہیں اور جو مصنف کے خیال میں اہلحدیث تھے کتاب کے نصف آخر میں ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ خیز واقعات اور اس دور کی سیاسی تحریکوں کا مختصر ذکر کرنے کے بعد میاں سید نذیر حسین صاحب محدث دہلوی کا مفصل ذکر کیا گیا ہے۔ لیکن اس میں میاں صاحب کی تحریک آزادی سے وابستگی اور تعلق کا ذکر کم ہے، اور ان پر انگریزوں کی وفاداری کے الزام کی تردید میں زیادہ زور صرف کیا گیا ہے، یہ کتاب دراصل اس الزام کی تردید میں لکھی گئی ہے کہ "ہندوستان کی تحریک آزادی میں اہلحدیث کا کوئی حصہ نہیں ہے" اس لیے اس کا انداز علمی و تحقیقی کے بجائے مناظرانہ ہو گیا ہے، اور کہیں کہیں تحریر میں الجھاؤ

بھی ہے، شروع میں ہندوستان میں تحریک اہلحدیث کی ابتداء کا بھی مختصر ذکر آگیا ہے، گو شاہ ولی اللہ دہلویؒ اور ان کی اولاد احناف تقلید کے قائل نہ تھے، اور سید احمد شہیدؒ کی جماعت میں حنفی و غیر حنفی سبھی شامل تھے تاہم اہلحدیث کی باقاعدہ جماعتی تشکیل ان حضرات کے بعد ہی عمل میں آئی، یہ بھی بجا ہے کہ اہلحدیث کے متعدد علماء و زعما جن کا ذکر اس کتاب کے دوسرے حصہ میں آئیگا، آزادی کی جدوجہد اور سیاسی سرگرمیوں میں شامل رہے ہیں، لیکن جمعیۃ کا من حیث الجماعۃ سیاسی تحریکوں میں حصہ لینا مصنف کی اس کد و کاوش کے باوجود بھی پوری طرح ثابت نہیں ہوسکا ہے، اس سے قطع نظر یہ کتاب تلاش و محنت کا نتیجہ اور سید صاحب اور مولانا اسماعیل شہیدؒ کی تحریک اور گذشتہ صدی کے بعض اہم واقعات کا مختصر خاکہ ہے۔

انیس نما، مرتبہ جناب عبد القوی صاحب دسنوی تقطیع خورد، کاغذ کتابت وطباعت اچھی، صفحات ۴۰ مجلد۔ قیمت ۳ سے غالباً اس پتہ سے ملے، شعبۂ اردو سیفیہ کالج بھوپال۔

جناب عبد القوی دسنوی کو اشاریہ سازی کے کام سے خاص ذوق ہے، چنانچہ وہ مولانا سید سلیمان ندویؒ، اور مولانا ابو الکلام آزادؒ کے مضامین اور مرزا غالب مرحوم پر لکھی گئی تحریروں کے اشارے اور انڈکس پہلے ترتیب دے چکے ہیں، اور اب انھوں نے اردو کے ممتاز اور صف اول کے شاعر میر انیس مرحوم کا اشاریہ ترتیب دیکر شائع کیا ہے، یہ مقالہ پہلے دلی کے سہ ماہی رسالہ تحریر میں چھپا تھا، اور اب مزید افادہ کے لیے اس کو کتابی صورت میں شائع کیا گیا ہے۔ اس میں ان سب کتابوں کا ذکر کیا ہے، جو میر صاحب کے متعلق مستقلاً لکھی گئی ہیں، یا جن میں انکا تذکرہ ضمناً درج ہے، ان سب مضامین کی فہرست بھی اس میں آگئی ہے جو میر صاحب کے بارہ میں وقتاً فوقتاً مختلف اخبار و رسائل میں لکھے گئے ہیں، اشاریہ سازی کا کام خاصا دشوار ہے، مگر عبد القوی صاحب نے اس کو محنت اور خوش اسلوبی سے انجام دیکر ایک مفید ادبی

خدمت کی ہے، اس سے انیس مرحوم پر کام کرنے والوں کو بڑی مدد ملیگی۔

غزل، از۔ جناب کرشن موہن صاحب تقطیع متوسط کاغذ کتابت وطباعت عمدہ صفحات ۱۶۰ مجلد مع گرد پوش، قیمت معہ پتہ نیشنل اکیڈمی ۹ انصاری مارکیٹ دریا گنج دہلی ۲

جدید اردو شاعری میں قدیم شعری روایات وقیود سے آزاد ہوکر جو نئے تجربے کئے جارہے ہیں، کرشن موہن صاحب اس کے مقبول ونمائندہ شاعر ہیں، ان کے کلام کے متعدد مجموعے طبع ہوچکے ہیں، زیر نظر مجموعہ ان کی غزلیات پر مشتمل ہے، اس میں جابجا انھوں نے اپنی "جدیدیت" کا بڑے فخر سے ذکر کیا ہے مثلاً ؎

یہ نیا رنگ، نئی سوچ، نئی لچک　　روش عام سے بالکل ہے جدا فن اپنا

انھوں نے ہندی الفاظ کے کثرت استعمال سے اپنی غزلوں کو ایک نئی فضا اور نیا مزاج دینے کی کوشش کی ہے اور اس مجموعہ میں موضوع کی طرح قافیہ وردیف میں توسیع اور اوزان میں بھی کمی بیشی کے نمونے ہیں، گو اس طرح کی بعض جدتیں اور تجربے غزل کے لطیف و نازک مزاج پر بار ہیں تاہم کرشن صاحب نے بڑی حد تک اس کی رعنائی و شگفتگی کو قائم رکھا ہے، اور یہ مجموعہ موجودہ عہد کے حقائق وواقعات کا عکس اور گردوپیش کے حالات کا آئینہ ہے، شروع میں محمود ہاشمی صاحب نے ان کے خصوصیات کلام تحریر کئے ہیں۔

امثال آصف الحکیم، از۔ الاستاذ الامام عبد الحمید الفراہی متوسط تقطیع کاغذ کتابت وطباعت بہتر صفحات ۵۶ قیمت۔ ۵۰ پیسے پتہ۔ دائرہ حمیدیہ، مدرسۃ الاصلاح سرائے میر اعظم گڈھ

یہ عربی ریڈر مشہور حکیم آصف کی سبق آموز امثال وحکایات کا مجموعہ ہے، ترجمان القرآن مولانا حمید الدین فراہی نے اسکا انگریزی سے عربی میں ترجمہ کیا تھا، اسکے متعدد اڈیشن چھپ چکے ہیں اور یہ رسالہ عربی مدارس کے نصاب میں داخل ہے، امید ہے کہ یہ نیا اڈیشن بھی مقبول ہوگا، اور عربی کے مبتدی طلبہ اس سے فائدہ اٹھائیں گے۔ "ض"

جلد ۱۱۳ ماہ جمادی الاول ۱۳۹۴ھ مطابق ماہ جون ۱۹۷۴ء نمبر ۶

مضامین

مقالات

باب التقریظ والانتقاد